

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَسَلِّحْنَاهُمْ لِنُغْلِبَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ لِقَاءُ رَبِّهِمْ
 فَسَلِّحْنَاهُمْ لِنُغْلِبَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ لِقَاءُ رَبِّهِمْ
 فَسَلِّحْنَاهُمْ لِنُغْلِبَ فِي الْيَوْمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ لِقَاءُ رَبِّهِمْ

بلکہ تم ہی کو باطل پر پھینک دیتے ہیں
 تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو جی بھی وہ مٹ کر رہ جاتا
 ہے اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔

1853



کلام حق

مصنفہ

فاضل شہیر حضرت مولانا عبدالمجید خان آثر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ العالی

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی

کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب: ----- کلمہ حق

مصنف: ----- مولانا عبدالمجید خان اختر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ

پروف ریڈنگ: ----- ماسٹر منظور حسین صاحب اور محمد عبدالوہاب ناز صاحب

کتابت: ----- جاوید

مطبع: ----- لاہور

اشاعت بار اول: ----- ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء

دوم: ----- ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء

ناشر: ----- ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی

کرم پارک مصری شاہ لاہور۔ ۳۹

یہ کتاب مندرجہ ذیل حکموں سے ۵۰-۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کریں۔

۱۔ ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی کرم پارک مصری شاہ لاہور۔ ۳۹

۲۔ الحاج پیر وزیر علی صاحب قادری نوری جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ رَبِّكَ بِالْحَمْدِ الَّتِي كُنْتَ تَعْبُدُ
 بِهَا آدَمَ إِذْ هُوَ فِي الْجَنَّةِ مَعَ آدَمَ وَكَانَ يَتْلُو
 عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُخَوِّفُهُمْ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
 مَائِدًا وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا عَلِيمًا

بلکہ ہم ہی کو باطل پر پھینک مارتے ہیں
 تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو کبھی وہ مٹ کر رہ جاتا
 ہے اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔



کلمہ حق

مصنفہ

فاضل شہیر حضرت مولانا عبدالمجید خان آثر صاحب مجددی مظہری شاہجہانپوری مدظلہ العالی

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲ گلی نمبر ۲۲ بی

کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹

فہرست

59822

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار	نمبر صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۷	رابعاً	۲۸	۱	حکیم الہند سے بے وفائی	۱
۷۸	خامساً	۲۹	۲	پیغام	۲
۷۹	سادساً	۳۰	۳	حرف آغاز	۳
۸۱	سابعاً	۳۱	۳۰	پہلا راستہ	۴
۸۳	اولاً	۳۲	۳۸	دوسرا راستہ	۵
۹۳	ثانیاً	۳۳	۴۲	حقیقت تک پہنچنے کا ریزہ	۶
۹۶	ثالثاً	۳۴	"	پہلا نکتہ	۷
۹۹	رابعاً	۳۵	۴۲	دوسرا	۸
۱۰۰	خامساً	۳۶	"	تیسرا	۹
۱۰۱	سادساً	۳۷	۴۵	چوتھا	۱۰
"	سابعاً	۳۸	"	پانچواں نکتہ	۱۱
"	ثامناً	۳۹	۴۶	چھٹا	۱۲
"	تاسعاً	۴۰	۴۷	ساتواں	۱۳
"	عاشرأ	۴۱	"	آٹھواں	۱۴
۱۰۲	دریوبندی ڈرامہ	۴۲	۴۸	نواں	۱۵
۱۰۳	فرلونیسا	۴۳	"	مکتوب گرامی	۱۶
"	" نمبر ۱	۴۴	۴۹	ترجمہ مکتوب گرامی	۱۷
"	" نمبر ۲	۴۵	۵۳	دسواں نکتہ	۱۸
۱۰۴	" نمبر ۳	۴۶	۵۵	گیارہواں نکتہ	۱۹
"	" نمبر ۴	۴۷	۵۷	بارہواں	۲۰
"	" نمبر ۵	۴۸	۶۰	تیرہواں	۲۱
۱۰۹	دوسرا ڈرامہ	۴۹	۶۷	چودھواں	۲۲
۱۱۰	تیسرا ڈرامہ	۵۰	۷۲	گکھڑوی صاحب کی مزاج پرسی	۲۳
۱۱۲	کافر بنانا	۵۱	۷۳	چل میرے خامہ لیم اللہ	۲۴
۱۱۵	معافی مانگتے	۵۲	"	اولاً	۲۵
۱۲۵	تکفیر بند کرو	۵۳	"	ثانیاً	۲۶
			۷۶	ثالثاً	۲۷

فَسَبِّحْهُ بِحَمْدِهِ فِي الْبُيُوتِ وَالْحَمْدُ شَرٌّ مِنْ نَجَسٍ
 بَلْ كَلِمَاتٍ يَتَذَكَّرُ فِيهَا مَن تَابَ
 بِرَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ فِي حَقِّهِمْ لِيَسْأَلُوا
 عَنْهَا حَسْرَةً وَتَلْذُقُوا حَسْرَتَهُمْ
 وَمَن يَتَذَكَّرْ فِيهَا بَعْضٌ مِّنْ حَقِّهَا
 فَكَرَّرْهُ شَرًّا لَّيْسَ لَهُ كَفْرًا وَسْوَءٌ
 مَّا يَسْتَعْتَبُ

بلکہ ہم ہی کو باطل پر پھینک مارتے ہیں
 تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو بھی وہ مٹ کر رہ جاتا
 ہے اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔

کلمہ حق

مصنفہ

فاضل شہیر حفصہ مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی مظہری شاہجہا پوری مدظلہ العالی

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی

کرم پارک مصری شاہ لاہور۔ ۳۹

فہرست

نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ	نمبر شمار	عنوان	نمبر صفحہ
۱	حکیم اہلسنت سے بے وفائی	۱	۲۸	رابعاً	۷۷
۲	پیغام	۲	۲۹	خامساً	۷۸
۳	حرف آغاز	۳	۳۰	سادساً	۷۹
۴	پہلا راستہ	۳۰	۳۱	سابعاً	۸۱
۵	دوسرا راستہ	۳۸	۳۲	اولاً	۸۳
۶	حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ	۴۳	۳۳	ثانیاً	۹۲
۷	پہلا نکتہ	"	۳۴	ثالثاً	۹۶
۸	دوسرا	۴۴	۳۵	رابعاً	۹۹
۹	تیسرا	"	۳۶	خامساً	۱۰۰
۱۰	چوتھا	۴۵	۳۷	سادساً	۱۰۱
۱۱	پانچواں نکتہ	"	۳۸	سابعاً	"
۱۲	چھٹا	۴۶	۳۹	ثامناً	"
۱۳	ساتواں	۴۷	۴۰	تاسعاً	"
۱۴	آٹھواں	"	۴۱	عاشرأ	۱۰۲
۱۵	نواں	۴۸	۴۲	دریوبندی ڈرامہ	۱۰۳
۱۶	مکتوب گرامی	"	۴۳	فنونینا	"
۱۷	ترجمہ مکتوب گرامی	۴۹	۴۴	" نمبر ۱	"
۱۸	دسواں نکتہ	۵۳	۴۵	" نمبر ۲	"
۱۹	گیارہواں نکتہ	۵۵	۴۶	" نمبر ۳	۱۰۶
۲۰	بارہواں	۵۷	۴۷	" نمبر ۴	"
۲۱	تیرہواں	۶۰	۴۸	" نمبر ۵	"
۲۲	چودھواں	۶۷	۴۹	دوسرا ڈرامہ	۱۰۹
۲۳	لکھنوی صاحب کی مزاج پرسی	۷۲	۵۰	تیسرا ڈرامہ	۱۱۰
۲۴	چل میر سے خامہ بیسم اللہ	۷۳	۵۱	کافر بنانا	۱۱۲
۲۵	اولاً	"	۵۲	معانی مانگتے	۱۱۵
۲۶	ثانیاً	"	۵۳	تکفیر بندہ کرد	۱۲۵
۲۷	ثالثاً	۷۶			

حکیم اہل سنت کے بیوفائی

حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی، جنہیں شیخ اوس و العجم قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے "حکیم اہل سنت" کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے "مرکز مجلس رند" کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جسکی اپنے خونِ عکبر سے آسیا ری کی اور اہل سنت و الصلاب از کتاب "کا درس دیا اور مہر محاذ پر عملی، دینی درہمی کا کر کے دلوں کی راہنما کی جیسا کہ آج شاعت کتب کے سلسلے میں جو انقلاب نظر آ رہا ہے۔ حکیم صاحب ہی کی مساعیٰ جمیدہ کا ثمرہ ہے۔ موصوف کے شائع کردہ اٹریجیر کے انرا ت تصعیر پاک دہند کے علاوہ تمام مغربی ممالک میں بھی پھیل گئے اور مخالفین اہل سنت تو کیا مسند تین نے بھی آپ کی اس قابل قدر خدمت کا اعتراف کیا۔ مگر جولائی ۱۹۶۶ء کے آخر میں حکیم صاحب نے "مجلس رضا" سے لاتعلقی کا اعلان کر کے دمسدان اہل سنت کو یاس و ناامیدی میں مبتلا کر دیا۔

حکیم صاحب سے قبل کئی "اہل حق" نے بھی اسی طرح دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس افسوسناک صورتِ حال کے پیش نظر ہم ایک ایسی کتاب مرتب کرنا چاہتے ہیں جس سے عوام الناس اس کے اسباب و وجوہ جان کر حق و باطل میں صحیح امتیاز کر سکیں۔

حکیم صاحب کے وہ احباب جو ان کی بددلی کے اسباب جانتے ہیں۔ وہ حقائق پر مبنی اپنے رشحاتِ قلم ہمیں ارسال فرمائیں۔ جن حضرات کے علم میں حکیم صاحب کی طرح کے دیگر حقائق پر مظالم اہل سنت کے واقعات محفوظ ہوں، وہ بھی یہ دل خراش یادیں تحریر کر کے ہمیں بھیجیں تاکہ آئندہ نسلوں کی راہنمائی کے لئے ہماری یہ پیشکش نشانِ راہ ثابت ہو۔

نوٹ: اہل قلم حضرات اپنے مقالات حسب ذیل پتہ پر ارسال کریں۔
 مکان نمبر ۲۲/۵، کھریاں، مصری شاہ راجہ

پیغام

(لاہور کے مردِ قلندر، دانائے اہلسنت حکیم محمد قاسمی نے طلبہ العالی کے نام)

- ۱- عشق کی مدح خواں آج تک نہر فرات
- ۲- عشق تری لے میں ہے، عشق تیری نئے میں ہے
- ۳- عشق سے ہے زندگی، عشق سے تابندگی
- ۴- آگہ سنواریں ذرا، زلف پریشانِ ذریں
- ۵- آج تو تنہا نہیں، ساتھ میں شاہِ رضا
- ۶- سیدِ مجبور کی تجھ پہ ہے چشمِ کرم
- ۷- عظمتِ شاہِ رضا جب کہ ہے پیشِ نظر
- ۸- کام سے قسمت بنے، کام سے عزت ملے
- ۹- نام سے کچھ بھی نہیں، کام سے بنا ہے کام
- ۱۰- عیبِ ظلم میں جلتے ہیں وہ، جھوٹ پہ پلے ہیں وہ
- ۱۱- عالمانِ دین بھی، اک روپے کے تین بھی
- ۱۲- سو گئے تھے پیشوا، چھوڑ کر خالی حرم
- ۱۳- عالمِ دین ہے وہی، عاقبت پہ ہو نظر
- ۱۴- راہِ دروہِ حرم، تیز تر گامِ زن
- ۱۵- دن میں نبرد آزما ہو گیا انتر تیرا
شاطرانِ دین کے کرنے جو مہرِ ہنرمات

اختر شاہجہاں پوری، مظہری عفی عنہ

لاہور

حشر آغاز

تَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ (متا بعد:-)

حافظ نعمت علی صاحب زید مجتہد نے ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء میں الصوارم الہندیہ نامی کتاب شائع کی جس کا دیباچہ راقم الحروف سے لکھوایا تھا جو مذکورہ کتاب کے سابقہ ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ بعض احباب کا اصرار ہوا کہ ہم اس دیباچے کو علیحدہ کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس سے استفادہ کر سکیں۔ احقر نے ان حضرات کی خواہش کے پیش نظر مذکورہ دیباچے پر نظر ثانی کر کے بعض مقامات پر ترمیم و اضافے بھی کر دیئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مناسب نظر آیا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۲۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے جن عبارتوں کی بنا پر مرزا غلام احمد قادیانی (متوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) کے ساتھ جن چار علمائے دیوبند کی تکفیر بھی کی تھی ان کی اصل عبارتوں کو ان کے سیاق و سباق سمیت پیش کر دیا جائے۔ اور عام فہم لفظوں میں ان کا حقیقی مفہوم واضح کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ مستغنی نے ان عبارتوں میں کیا کہا تھا۔ اختصار کے سبب ہم یہاں ان سے متعلقہ تاویلات کا جائزہ نہیں لیں گے۔ کیونکہ اس کام کے لئے ہماری کتاب کھلا خط مخصوص ہے جو منظر عام پر آنے کے لئے پر تول رہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ — چنانچہ مولوی محمد قاسم

نانوتوی صاحب (متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہے۔
بعد حمد و صلوات کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر

تقدمت میں ولیکذترسول اللہ وخکتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر
 یح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام
 کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخیر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر
 میں جانتا ہوں کہ اہل سلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب
 لغو ذبا شد زیادہ گونی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و
 نسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں۔
 کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اور وہ کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی جانب نقصان قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے
 لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں، اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔
 باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل
 کو جھوٹے دعویٰ کر کے خلافت کو گمراہ کریں گے، البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ
 مَا كَانَ مُحَقَّقًا أَبًا أَحَدٍ مِّنْ تَرَجَا لِكُمْ أَوْ جِلْدًا وَلَكِنْ
 سُرَّ سَوْلَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے
 پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدرک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ
 اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب
 مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقع تھے۔ بلکہ بنا خاتمیت اور بات
 پر ہے جس سے تاخیر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی
 دو بالا ہو جاتی ہے۔“ غلہ

اگر نانوئی صاحب نے مخالفت و موافقت اور محبت و نفرت کو بالائے طاق رکھ
 کر تحذیر الناس کی اس طویل عبارت کو دیکھا جائے تو مہر اردو خوان قاری کے پردہ ذہن
 پر اس سے یہ مفہوم و مطالب ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت پر ایمان رکھنا جس پر تیسرہ سورس سے امت

غلہ محمد قاسم نانوتوی مولوی دہ تحذیر الناس، شائع کردہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۲

محمدیہ کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تمام سابقہ انبیائے کرام کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، یہ عوام کا خیال ہے اور یہ عقیدہ رکھنے والے نانو تووی صاحب کے نزدیک اہل فہم نہیں ہیں۔

۲۔ نانو تووی صاحب کے نزدیک جو حضرات اہل فہم ہیں۔ ان پر روشن ہے کہ کسی نبی کے پہلے یا سب سے بعد میں آنے کے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۳۔ اگر حضور کو بلحاظ زمانہ سب سے آخری نبی مانا جائے تو اس صورت میں وَ لٰكِنْ شَرَّ سُوْلِ اُمَّةٍ وَ خَا قَمَّرَ النَّبِيِّۦنَ كَا مَقَامِ مَدْرَجٍ مِّمَّنْ هُوَ نَا صَحِيْحٌ قَرَارٌ نِهَيْۦنَا۔
۴۔ نانو تووی صاحب کے نزدیک اگر حضور کے بلحاظ زمانہ آخری نبی ہونے کو اوصافِ مدح میں شمار نہ کیا جائے اور اس آیت کو مقامِ مدح قرار نہ دیں تو آپ کا آخری نبی ہونا صحیح ہو سکتا ہے۔

۵۔ نانو تووی صاحب خود بھی جانتے تھے کہ اہل اسلام اس بات کو گوارا نہیں کریں گے۔ کیونکہ آخری نبی ماننے میں ان کے نزدیک ایک قباحت تو یہ ہے کہ نفوز باللہ خدا کی جانب زیادہ کوئی یعنی فضول باتیں بنانے کا وہم ہوتا ہے کیونکہ آخری نبی ہونے کا تو قدر و قامت اشکل و رنگ، حسب و نسب اور سکونت وغیرہ کی طرح نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی کوئی دخل نہیں۔

۶۔ جب قدر و قامت اور اشکل و رنگ وغیرہ باتوں کا خدا نے ذکر نہیں کیا جن کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں تو آخری نبی ہونا بھی ان جیسی ہی بات ہے جس کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں ہے لہذا اس آیت میں موصوف کے نزدیک خدا نے آپ کے آخری نبی ہوتے کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۷۔ نانو تووی صاحب کے نزدیک آخری نبی ماننے سے حضور کی شان گھٹ جانے کا احتمال ہے کیونکہ اہل کمال کے کمال بیان کیے جاتے ہیں اور کمال سے محروم لوگوں کے متعلق ایسی ویسی باتیں کہی جاتی ہیں۔ چونکہ آخری نبی ہونا موصوف کے نزدیک کمال کی بات نہیں بلکہ محض ایسی ویسی بات ہے لہذا اس آیت میں

خدا نے آپ کے آخری نبی ہونے کے متعلق نہیں کہا ہوگا۔

۸۔ ہاں یہ احتمال کہ یہ آخری دین ہے اس لیے جھوٹے مدعیان نبوت کا اس آیت میں سدباب کیا ہو جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے تو یہ بات کسی حد تک نا تو قوی صاحب کے نزدیک قابل لحاظ ہو سکتی تھی لیکن ان کے نزدیک ہے یہ بات بھی نہیں کیونکہ اگر یہ بات اس آیت میں ہوتی تو جملہ مہاکا
 كَانَ مُحَمَّدًا ابًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اَوْ جَدًا وَّلٰكِنْ تَرٰ سُوْلَ اللّٰهِ
 وَ حَاقَمَ النَّبِيَّيْنِ فِيْ كُوْنِي تَنَاسُبٍ نِّهَيْسَ رَهْتَا اُوْرِيْهٖ دُوْنُوْنِ جَمَلِيْ اِيْكَ دُوْسَرِيْ
 پر عطف نہیں ہو سکتے تھے اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار نہیں
 دیا جاسکتا تھا کیونکہ یہ بے ربطی ہے جبکہ خدا کے کلام معجز نظام میں ایسی بے ارتباط
 متصور نہیں اور ایسا مذکورہ سدباب کے باعث لازم آ رہا ہے لہذا اس آیت کے متعلق
 موصوف یہ نہیں مان سکتے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے جھوٹے مدعیان نبوت
 کا سدباب کیا ہو۔

۹۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ سدباب منظور ہوتا تو نا تو قوی صاحب کے نزدیک قرآن کریم میں
 اور بیسیوں موقع تھے لیکن وہاں اس بات کا سدباب نہیں کیا جبکہ اس آیت میں تو
 موصوف کے نزدیک مذکورہ سدباب کا موقع ہی نہیں تھا۔

۱۰۔ اب موصوف دلی راز ظاہر کرتے ہیں کہ خاتمیت کی بنیاد ہی دراصل اور بات پر ہے
 جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں بھی نہ آئی اور خواہ مخواہ لَانَبِيَّۙ بَعْدِي سے
 اپنے خاتم ہونے کا مفہوم سمجھاتے رہے اور کبھی اپنے آپ کو قصر نبوت کی آخری
 اینٹ بتاتے رہے۔ اسی خاتمیت پر خواہ مخواہ صحابہ کرام اجماع کر بیٹھے اور اسی کو خواہ
 مخواہ امت محمدیہ نے اپنا عقیدہ بنا لیا رکھا۔ اسے ضروریات دین سے ٹھہرایا اور اس کے
 منکر بلکہ اس کے معنی میں تاویل کرنے والے کو بھی کافر و مرتد قرار دیتے رہے۔ چونکہ
 یہ سارے ہی نا تو قوی صاحب کے نزدیک عوام تھے اور اہل فہم نہیں تھے اسی لیے
 وہ اصلی خاتمیت کو معلوم ہی نہ کر سکے۔ انہیں تو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ خاتمیت

کی بنیاد کس بات پر ہے۔ تیرہ^{۱۱} صدیاں گزرنے پر وہ اصلی خاتمیت نانو تووی صاحب کو معلوم ہوئی ہے۔ جس سے تاخر زمانی اور مذکورہ سبب خود ہی لازم آجائے گا اور خدا سے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت دو بالا نہ ہو سکی لیکن نانو تووی صاحب اصلی خاتمیت سے سرفراز کر کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت کو دو بالا کر کے چھوڑیں گے۔

حضرات گرامی! یہ ہیں نانو تووی صاحب کی مذکورہ طویل عبارت کے مضمرات۔ یہ ہے اللہ اور اس کے آخری رسول اور تیرہ^{۱۲} سو سالہ امت محمدیہ معنی صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، اولیائے عارفین اور علمائے کاملین کے خلاف موصوف کی محاذ آرائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بمجاہز زمانہ آخری نبی ماننے والے عوام ہیں، اہل فہم نہیں ہیں۔ آخری نبی ہونے میں بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آخری نبی ماننے سے وَلٰكِنْ تَسْأَلُ اللّٰهَ وَحَاكَمَ النَّبِيَّيْنِ کا مقام مدح میں فرمایا جانا صحیح نہیں ہو سکتا اور اس آیت کو مقام مدح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حضور کو آخری نبی ماننے سے خدا کی زیادہ کوئی کا وہم ہوتا ہے۔ کیونکہ آخری نبی ہونے کو نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی دخل نہیں اس سے موصوف کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹ جانے کا احتمال ہے۔ اگر حضور کو آخری نبی مانا جائے تو نانو تووی صاحب کے نزدیک آپ کو کمالات سے خالی اور ایسے ویسے لوگوں میں ماننا لازم آتا ہے۔ مذکورہ آیت میں اگر جھوٹے مدعیان نبوت کا سبب مانا جائے تو اس کا موصوف کے نزدیک اس آیت میں موقع نہیں تھا اور ایسا ماننے سے قرآن مجید کو بے ربط کتاب ماننا لازم آتا ہے۔ اگر مذکورہ سبب ہی منظور ہوتا تو قرآن کریم میں اس کے دیگر بیسیوں مواقع تھے لیکن خدا نے وہاں اس باب کا سبب نہیں کیا نانو تووی صاحب سے پہلے کسی کو بنا و خاتمیت معلوم نہیں ہو سکی تھی اور سبب دھیرے میں تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ اب تیرہ^{۱۳} صدیوں کے بعد موصوف ہی کو بنا و خاتمیت معلوم ہوئی جس سے تاخر زمانی اور مذکورہ سبب خود بخود لازم آجاتا ہے۔ خدا سے تو حضور کی افضلیت دو بالا نہ کی جاسکی لیکن نانو تووی صاحب نے حضور کو

ایسی خاتمیت سے سرفراز کر دیا ہے۔ جس کے باعث اب افضلیت نبوی دہ بالا ہو جائے گی۔ ————— نانوتوی صاحب نے اس کے بعد یوں لکھا ہے۔

”موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف

بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتب اور مستعار نہیں ہوتا۔“ علیہ

”سوزی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اور وہ آپ کی نبوت کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔“ علیہ

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت و نبوت کو بالذات اور دیگر انبیائے کرام کی نبوت کو بالعرض قرار دیا ہے۔ موصوف نے دعویٰ نبوت کے لئے چور دروازہ بنایا۔ تحذیر الناس کتاب ۱۲۹۰ھ میں منظر عام پر آئی۔ پورے ملک میں شور و غل ہوا کیونکہ متحدہ ہندوستان سنیوں حنفیوں سے بھرا ہوا تھا اور تیرہ صدیاں گزرنے والی تھیں کہ پہلی دفعہ یہ غیر اسلامی آواز اور نئی خاتمیت سننے میں آئی۔ علمائے کرام رد و تردید میں خوب سرگرمی دکھا رہے تھے۔ عقیدہ خاتمیت کا پوری جرات سے دفاع کر رہے تھے کہ ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نبوت کا دعویٰ کیے بغیر یہ کہتے ہوئے راہی ملک عدم ہو گئے۔

قسمت تو دیکھتے کہاں پہ ٹوٹی ہے کمند

دو چار ہوا تھا جبکہ لب بام رہ گیا

علیہ محمد قاسم نانوتوی، مولوی: تحذیر الناس مذکورہ، ص ۴

علیہ ایضاً: ص ۴

بازرگس گورنمنٹ کو ایسے ہی دوسرے جرات مند کی ضرورت محسوس ہوئی تو مرزا
 علامہ احمد قادیانی (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) مل گئے۔ انہوں نے ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء
 سے اپنا کام شروع کر دیا۔ نانوتوی صاحب والے چور دروازے سے پورا فائدہ اٹھایا
 لیکن اس کے نام میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی کہ بالذات اور بالعرض کی جگہ اصلی اور ظلی بزرگی
 کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ خاتمیت مرتبی وزمانی کی جگہ تشریحی اور غیر تشریحی نبی کی
 اصطلاح آگئی یعنی نانوتوی صاحب کی روح سے معذرت کے ساتھ۔۔۔۔۔
 خیر یہ بات تو برسبیل تذکرہ نوک قلم پر آگئی۔ آگے نانوتوی صاحب نے خاتمیت کے
 متعلق یوں لکھا ہے :-

” اور مجھ سے پوچھئے تو میرے خیال ناقص میں تو وہ بات ہے کہ سامع منصف انشاء
 اللہ انکار ہی نہ کر سکے۔ سو وہ یہ ہے کہ تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی۔ یہ تین
 نوعیں ہیں، باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس“ لے
 اس عبارت میں موصوف نے دعوی نبوت کی خاطر چور دروازہ بنا تے ہوئے
 خاتمیت کی اپنی طرف سے تین قسمیں گھڑ لیں تاکہ لا یشی بعدی اور قصر نبوت کی آخری
 اینٹ والی خاتمیت زمانی کو غتر بود کر دیں اور اس پر جو لوگوں کا عقیدہ ہے اُسے ہٹا
 سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کی خاطر وہ اسی عبارت سے پہلے متصلاً یوں لکھ چکے ہیں :-
 ” اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجئے تو
 پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا پر ایک مراد ہو تو شایان شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
 خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی“ لے

اس عبارت میں موصوف نے صاف صاف بتا دیا کہ بطور اطلاق یا عموم مجاز
 تو دونوں طرح کی خاتمیت مرادلی جاسکتی ہے لیکن ایک ہی خاتمیت اگر مراد ہو تو شایان

۳۱ محمد شفیع، مفتی، ختم نبوت کامل، اشاعت چہارم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۶

۳۲ : محمد قلم نانوتوی، مولوی، تحذیر الناس مذکورہ، ص ۹

۳۳ : " " " " " "

شانِ محمدی وہی خاتمیت ہے جو نانوتوی صاحب نے تیرہ صدیاں گزرنے پر گھڑی ہے اور جو خاتمیت اللہ اور اس کے رسول نے بنائی، صحابہ کرام نے سمجھی اور سمجھائی، تیرہ سو سال سے امت محمدیہ نے اپنے دلوں اور دماغوں کی زینت بنائی۔ وہ موصوف کے نزدیک شایانِ شانِ محمدی نہیں ہے۔ — آگے نانوتوی صاحب اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا یہ فائدہ بتاتے ہیں۔

باندیشہ تطویل قدر ضرورت پر اکتفا کر کے عرض یہ داز ہوں کہ اطلاقِ خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور، اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کا طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اسی طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں اس زمین یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر ختم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے۔ عرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“ لے

اللہ تعالیٰ نے جو اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا یعنی خاتمیتِ زمانی سے سرفراز فرمایا ہے اس کے مقابلے پر نانوتوی صاحب نے اس عبارت میں اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا بہتر اور مفید ہونا دکھایا ہے کہ میری گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی رُو سے تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوگا۔ خواہ وہ حضور سے پہلے نبی ہوں یا آپ کے زمانے میں کسی جگہ زمین و آسمان میں موجود ہوں یا بالفرض کچھ انبیاء آپ کے

علہ محمد قاسم نانوتوی، مولوی؛ تحذیر الناس مذکورہ، ص ۱۵

بعد پیدا ہو جائیں۔ اب نانوتوی صاحب مسلمانوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ اگر خاتمیت کا مطلب اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر میری تجویز کے مطابق مان لیا جائے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ حضور گذشتہ انبیاء کے خاتم ہی نہیں رہیں گے۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کسی جگہ کوئی اور نبی ہو تب بھی

حضور کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ جبکہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے میں یہ فائدہ نہیں ہے۔ — موصوف نے آگے لکھا ہے :-

» ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے؟ «

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت کی تین وجہ سے برتری دکھائی ہے یا اس کے اندر تین فائدے ایسے بتاتے ہیں۔ جو اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی میں نہیں ہیں یعنی :-

۱۔ اگر نانوتوی صاحب کا بتایا ہوا خاتمیت کا مفہوم مان لیا جائے کہ حضور موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور دیگر انبیاء کرام موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ انبیاء کرام کے افراد مقصود بالخلق میں سے کسی کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مماثل نہیں کہا جاسکے گا۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ انبیاء کرام کے افراد خارجی پر ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نانوتوی، مولوی ۱۔ تحذیر الناس مذکورہ، ص ۲۲

تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت انبیائے کرام کے افرادِ مقدّرہ پر بھی ثابت ہو جائے گی۔

۳۔ تیسرا فائدہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کا یہ ہو گا کہ بالفرض حضور کے زلمنے کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور کسی اور زمین یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کر لیا جائے تو نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کے سبب اس معاصر کے باعث بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔ نانوتوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

”بائیں ہمہ اطلاق مماثلت میں مزید رفت مراتب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اطلاق مذکور کو تسلیم نہ کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفت کے سات حصوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے اور چھ حصے عظمت کم ہو جائے“
 ”اگر ہفت زمین کو بطور مذکور برتر تیب فوق و تحت نہ مانئے تو پھر عظمت و شان محمدی بہ نسبت اس قدر عظمت کے جو در صورت تسلیم ارضی ہفت گانہ بطور مذکور لازم آتی تھی چھ گنی کم ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ ہفت اقلیم کو اگر کوئی نادان فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں کہو کہ اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیئے، فقط ایک ہی پر قناعت کی۔“

نانوتوی صاحب سے ان کے رشتہ دار مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ) نے در مشور میں مذکور ایک اثر ابن عباس کے بارے میں سوال کیا تھا۔
 موصوف نے اثر مذکورہ کو اپنی دلیل بنایا اور دعویٰ نبوت کے لئے چور دروازہ بنانے کی غرض سے تحذیر الناس کتاب لکھی جس کی پورے متحدہ ہندوستان میں سے کسی ایک عالم نے بھی کالی تائید نہیں کی تھی کیونکہ اکابر امت نے اس اثر کو شاذ کہتے ہوئے رد کیا اور عقیدہ خاتمیت کے خلاف ٹھہرایا تھا جیسا کہ اسی تحذیر الناس کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر نانوتوی صاحب نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔
 موصوف نے اثر مذکورہ کے تحت سات زمینیں الگ الگ ٹھہرائیں اور ہر زمین میں

عہ محرق سم نانوتوی، مولوی :- تحذیر الناس مذکورہ ص ۱۷

عہ ایضاً ص ۲۹

ایک ایک آدم، نوح، ابراہیم، عیسیٰ اور محمد علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ٹھہرے۔ یوں شش مثل کا فتنہ پھر جگایا۔ گو یا خود حضور کے زمانے میں آپ کے ہنمام چھدنی باقی زمیوں میں موجود تھے اور اوپر کی زمین والے کو ان سب کا حاکم ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی اپنی زمین کے خاتم اور حضور ان سب کے بھی خاتم حالانکہ اکابر امت نے اس بات کو کفر ٹھہرایا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے کو عقیدہ خاتمیت کا انکار قرار دیا ہے

جیسا کہ دیوبندیوں کے مفتی اعظم پاکستان مولوی محمد شفیع صاحب (امتونی سرمد) نے اپنی کتاب ختم نبوت کامل میں اہ بیت کی اس بارے میں متعدد عبارتیں نقل کی ہیں۔ نانوتوی صاحب نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت پر اپنی ٹھڑی ہوئی خاتمیت کی برتری دکھاتے ہوئے مذکورہ دونوں عبارتوں کے اندر یہ کہا ہے:-

۱۔ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے میں نانوتوی صاحب کی ٹھڑی

ہوئی خاتمیت کو یہ برتری ہے کہ باقی چھ زمینوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مثل اور ماننے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ چھ گناہ اور بلند ہو جاتا ہے۔

۲۔ اگر باقی چھ زمینوں میں آپ کے چھ مثل اور نہ ماننے جائیں تو اس صورت میں نانوتوں

صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے ساتھ حضور میں سے صرف ایک حصہ باقی رہ جائے گا اور چھ حصے عظمت و رفعت کم ہو جائیں گی۔

۳۔ وہ شخص نادان ہے جو اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مطابق حضور کو

ایک ہی ملک کا بادشاہ بنائے رکھنے پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور آپ کی چھ گناہ شان گھٹا رہے ہیں۔

۴۔ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر موصوف کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے

کا نانوتوی صاحب کے نزدیک یہ فائدہ ہے کہ اس کے ماننے سے حضور کی شان چھ گنا اور بڑھ جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے بڑھائی نہیں جاسکتی تھی۔

نانوتوی صاحب نے اپنی اس گھڑنت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہوا ہے:-

ہاں بوجہ عدم ثبوت قطعی نہ کسی کو تکلیف عقیدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو بوجہ

انکار کافر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس قسم کے استنباط امت کے حق میں مفید یقین نہیں ہو سکتے، احتمال خطا باقی رہتا ہے۔ البتہ تصریحات قطعی الثبوت تو پھر تکلیف مذکور اور تکلیف مسطور دونوں بجا تو یہاں ایسی تصریحات درجہ قطعیت کو نہیں پہنچی یعنی نہ کلام اللہ میں ایسی تصریح ہے نہ کسی حدیث متواترہ میں البتہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک اثر منقول ہے۔ جو درجہ تواتر تک نہیں پہنچا نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا۔
اب اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی کے بارے میں بھی نانوتوی صاحب کی تصریح ملاحظہ ہو:-

”سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدالات التزامی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لانی بعدی اور کما قال: جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا کہ الفاظ مذکورہ بند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات و تراویح وغیرہ باوجود یکہ الفاظ احادیث مشرقت و در رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔“

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت اور اللہ و رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کی شرعی حیثیت اپنے لفظوں میں بیان کی ہے اور دونوں کے ماننے اور نہ ماننے کا شرعی حکم بھی لکھ دیا۔ ان عبارتوں کے بعض نکات یہ ہیں۔
۱۔ نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔
۲۔ بایں وجہ اس پر عقیدہ رکھنے کی کسی کو تکلیف نہیں دی جاسکتی۔

علہ محمد قاسم نانوتوی، مولوی :- تحذیر الناس مذکورہ، ص ۲۹

علہ ایضاً ص ۱۰، ۱۱

- ۳- موصوف کی گھڑی ہوئی خاتمیت کے منکر کو کہا نہیں جاسکتا۔
- ۴- نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت پر یقین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایسے استنباط میں خطا کا احتمال باقی رہتا ہے۔
- ۵- موصوف نے جو خاتمیت گھڑی اسکی قرآن مجید اور کسی متواتر حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہے
- ۶- نانوتوی صاحب نے اس خاتمیت کی عمارت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک اثر کی بنیاد پر تعمیر کی ہے جس کو اکبر امت نے شاذ بتایا اور عقیدہ خاتمیت کے خلاف ٹھہرا کر رد کیا ہوا تھا۔
- ۷- نانوتوی صاحب کے نزدیک بھی مذکورہ اثر درجہ تواتر کو نہیں پہنچا اور امت محمدیہ کا اس پر اجماع منعقد نہیں ہوا، بلکہ یہ امت مرحومہ کا رد کیا ہوا اثر ہے۔
- ۸- نانوتوی صاحب پورا زور لگاتے رہے ہیں کہ خاتمیت مرتبی کو ماننے سے خاتمیت زمانی خود بخود لازم آجائے گی حالانکہ موصوف کی یہ سینہ زوری اور عوام الناس کو دھوکا دینا ہے کیونکہ خاتمیت مرتبی کے ماننے سے تو خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے۔
- ۹- اللہ اور رسول کی بنائی ہوئی خاتمیت زمانی کا مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔
- ۱۰- خاتمیت زمانی پر امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔
- ۱۱- خاتمیت زمانی کا منکر رکعات نماز کے منکر کی طرح کافر ہے۔
- جب ننانوتوی صاحب بھی خود مانتے تھے کہ خاتمیت زمانی کا منکر کافر ہے تو انہوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف دوسری خاتمیت کیوں گھڑی اور کیوں کفر و ارتداد کا ارتکاب کیا؟ اس سوال کا جواب موصوف نے اس عبارت میں دیا ہوا ہے :-
- ” باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانتے تو ان کی تحقیر نفوذ باللہ لازم آئے گی۔ یہ انہیں لوگوں کے خیال میں آسکتی ہے جو بڑوں کی بات فقط ازراہ بے ادب نہیں مانگتے۔ ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے، المرء لبقین

عکلی نفسہ - اپنا یہ وطیہ نہیں نقصانِ شان اور چیز ہے اور خطا و
 نسیان اور چیز۔ اگر بوجہ کم التفاطی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان
 میں کیا نقصان آگیا؟ اور کسی طفلِ نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا
 اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا؟

۵ . گاہ باشد کہ کودکِ نادان

بفسط بر ہدفِ زند تیرے ، مملہ

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھی بلکہ اللہ اور
 رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے پر نئی خاتمیت گھڑنے اور پوری اہمیت محمدیہ کی
 مخالفت کر کے، کفر و ارتداد کا وبال سر پر لینے کی وجہ بیان کر دی ہے۔ چند نکات ملاحظہ فرمائیے :-
 ۱۔ اگر کوئی نانوتوی صاحب سے یہ کہتا کہ آپ نے اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی صحابہ
 کرام کی سبھی اور سمجھائی ہوئی اجماعی خاتمیت کو رد کر کے اس کے بالمقابل اپنی طرف سے
 جو خاتمیت گھڑی ہے تو ایسا کرنے کے باعث ان سارے بڑوں کی تحقیر لازم آئے
 گی تو موصوف نے جواب دے دیا ہے کہ بڑوں کی تحقیر تب ہوتی ہے جب کوئی
 ان کی بات کو بے ادبی سے نہ مانے جبکہ میں نے تو ان کی بتائی ہوئی خاتمیت کو بڑے
 ادب و احترام سے ٹھکرایا اور رد کیا ہے لہذا ان کی تحقیر کب لازم آئی؟
 ۲۔ نانوتوی صاحب بتا رہے ہیں کہ میں بڑوں کی بے ادبی نہیں کر رہا ہوں بلکہ خاتمیت
 کے معنی میں سارے ہی بڑوں سے بھول چوک اور خطا و نسیان کا وقوع ہو گیا تھا۔
 ۳۔ بڑوں سے خاتمیت کے معنی میں یہ غلطی بائیں وجہ واقع ہوئی کہ انہوں نے خاتمیت
 کے معنی کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی تھی۔

۴۔ خاتمیت کے معنی کی طرف پوری توجہ نہ کرنے کے باعث بڑوں کا ذہن اس کے
 حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ٹھکانے کی بات نہ کہہ سکا۔
 ۵۔ تیرہ صدیاں گزرنے پر برٹش گورنمنٹ کی نگاہ عنایت سے ٹھکانے کی بات آج

۶۔ محمد قاسم نانوتوی، مولوی، تحذیر الناس مذکورہ، ص ۲۳

ایک طفل نادان نے اپنی کتاب تحذیر الساس میں کہہ دی ہے۔ جیسا کہ حسن اتفاق سے کبھی کسی طفل نادان کا تیر بھی نشانے پر جا لگتا ہے اور اتنی بات سے وہ عظیم الشان نہیں ہو جاتا۔۔۔ افسوس!

۱۔ کیا خبر تھی کہ لیکچر چراغ مصطفویؐ جہاں میں آگ لگاتی پھیرے گی بولہبی

۲۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب (المتوفی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۵ء) کا ایک مہری دستخطی فتوے میرٹھ سے ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا جس کے اندر وقوع کذب کے قائل کی موصوف نے حمایت کی تھی۔ اس فتوے کی نقل رد شہاب ثاقب کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۸ پر موجود ہے۔ مولانا شاہ محمد اجمل مفتی سنبھل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء) نے اس فتوے کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:-

”ہم عدم تکفیر والا فتوے پیش کر رہے ہیں یہ ۱۳۰۸ھ کا ہے جو ماہ ربیع الآخر میں میرٹھ میں چھپ کر شائع ہوا تو اس پر ہر طرف سے اعتراضات ہوئے اور اس کے رد میں ایک رسالہ صیانتہ الناس لکھا گیا جو مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں طبع ہوا۔ پھر یہی فتوے ۱۳۱۸ھ میں مع رد بیخ کے مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپا۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں یہی فتوے مع قاہرہ رد کے پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا۔“

موصوف نے مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:-

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ بالکل بیخ فرمایا۔ گنگوہی جی کا اسی مضمون کا فتوے مہری دستخطی اعلیٰ حضرت کے پاس موجود تھا۔ اس کے نوٹو آج بکثرت علماء کے پاس موجود ہیں۔ یہ فتوے گنگوہی جی کے سامنے سے طبع ہو رہا ہے۔ ملک میں برابر شور مچا ہوا ہے۔ گنگوہی جی نے اپنی حیات میں اس فتوے سے انکار نہیں کیا۔ اس فتوے کا نوٹو میرے پاس بھی موجود ہے۔“

علہ شہ محمد اجمل مفتی: رد شہاب ثاقب، مطبوعہ کراچی، ص ۲۹۳

علہ ایضاً: ص ۲۸۵

گنگوہی صاحب کے مذکورہ مہری دستخطی فتوے کے چند جملے یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ کیا باتیں گنگوہی صاحب کی طرف منسوب ہو رہی تھیں، اس کے باوجود وہ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۲۳ھ تک پندرہ سالوں میں بولے کیوں نہیں؟ کیوں اقرار یا انکار نہیں کیا؟ منہ پر سکوت کی مہر کیوں لگائے رکھی؟ خیر جملے ملاحظہ ہوں:-

الجواب:- اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی ہے مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ خلف و عید کو جماعت کثیرہ علماء سلف کی قبول کرتی ہے..... علاوہ اس کے مجوزین خلف و عید خلف و وقوع کے بھی قائل ہیں..... کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو سو وہ گاہ و عید ہوتا ہے، گاہ و عید، گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے..... لہذا وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناء علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے کہ اس میں تکفیر علماء سلف کی لازم آتی ہے..... لہذا اس ثالث کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔ علیہ

گنگوہی صاحب کے مذکورہ فتویٰ کے بارے میں چودہویں صدی کے مجدد برحق، ماضی قریب میں سرمایہ ملت کے عدیم المثال نگہبان امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۰ھ / ۱۹۲۱ء) نے یوں وضاحت فرمائی ہے:-

وہ فتویٰ جس میں اللہ تعالیٰ کو طائف صاف کاذب ٹھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری دستخطی تک محفوظ ہے اور اس کے فوٹو بھی لیے گئے جن میں سے ایک فوٹو علمائے دین شریفین کو دکھانے کے لئے مع دیگر کتب دشنامیاں گیا تھا۔ سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے۔ یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے۔ ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں رسالہ صیانت الناس کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہو چکا۔ پھر ۱۳۱۸ھ میں

علہ شاہ محمد اجل، مفتی:- ردّ شہاب ثاقب، مطبوعہ کراچی، ص ۲۸۶، ۲۸۷

بیع تحفہ صغیہ میں اس کا اور مفصل رد چھپا۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں طینہ عظیم آباد مطبع گلزار حسن بمبئی میں تحفہ صغیہ
 کا اور قاہرہ رد چھپا اور فتویٰ دینے والا جمادی الاخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم
 ساکت رہا۔ نہ یہ کہا کہ وہ فتویٰ میرا نہیں حالانکہ خود چھپانی ہوئی کتابوں سے فتویٰ کا
 انکار کر دینا سہل تھا۔ نہ یہی بتایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سنت بتا رہے ہیں، بلکہ

مطلب یہ ہے۔ نہ کفر صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔ زید کے
 کا ایک مہری فتویٰ اسکی زندگی و تندرستی میں غلابیہ نقل کیا جائے اور وہ قطعاً
 بنا صریح کفر ہو اور سالہا سال اُس کی اشاعت ہوتی رہے۔ لوگ اس کا رد چھپا کریں۔
 جو اس کی بنا پر کافر بتایا کریں۔ زید اس کے بعد پندرہ برس جٹے اور یہ سب کچھ دیکھنے
 نے اور اس فتویٰ کی اپنی طرف نسبت سے انکار اصلاً شائع نہ کرے بلکہ دم سادھے
 ہے۔ یہاں تک کہ دم نکل جائے۔ کیا کوئی عاقل گمان کر سکتا ہے کہ اس نسبت سے
 سے انکار تھا یا اس کا مطلب کچھ اور تھا اور ان میں کے جو زندہ ہیں آج کے دم تک

اگت ہیں۔" علیہ

گنگوہی صاحب کا مذکورہ فتویٰ ۱۳۰۸ھ میں چھپا اور ۱۳۲۳ھ میں گنگوہی صاحب
 کی ملک عدم ہوئے۔ جہاں آخری دم تک متواتر گنگوہی صاحب خاموش رہے اور
 فتوے کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا وہاں جملہ معتقدین و متوسلین بھی خاموش اور خود فراموش
 ہے۔ پندرہ سال بعد جب گنگوہی صاحب شہر خوشاں کے مکین ہو گئے تو موصوف کے
 مقدرین، دیوبندی مناظرین کی زبانیں کھل گئیں اور شور مچانا شروع کر دیا کہ وہ فتویٰ
 مارے عالی جناب گنگوہی صاحب کا نہیں ہے، وہ جھوٹی نسبت ہے، وہ ہمارے
 بجا و ماویٰ اور قبلہ و کعبہ پر بہتان ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

۳۔ مولوی خلیل احمد انبھوی صاحب (المتوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۲۶ء) نے مولانا
 عبدالسمیع رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء) کی کتاب انوار سلطہ

پہلے اول کا جواب براہین قاطعہ کے نام سے لکھا۔ انبٹھوی صاحب نے علم و وسعت زمین پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :-

شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے، علامہ انبٹھوی صاحب کی یہ عبارت تو بظاہر بڑی مختصر سی ہے لیکن اس میں وہ بڑی ہونگ، اور نیز اور ایمان سوز باتیں کہہ گئے، جن پر عجب نہیں کہ آسمان پھٹ کر گر پڑتا۔ یہ علمائے ہند ہی کا دل گردہ ہے کہ خوف خدا اور خطرہ روز جزا سے اس قدر عاری ہو کر خدائے کمال کے سب سے باکمال محبوب کی یوں کھل کر توہین و تنقیص کرتے ہیں اور اس پر ذرا نہیں شرماتے، آتش جہنم کو قطعاً خطرے میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے آئیں۔ اس عبارت کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم حاصل ہے۔

۲۔ شیطان و ملک الموت کو ساری زمین کا علم ہونے کے قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود

ہیں۔ ۳۔ ایسی ایک بھی قطعی دلیل قرآن و حدیث میں نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کر حضور کو بھی یہ علم حاصل ہے۔

۴۔ اس علم کا حضور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

۵۔ جب حضور کے لیے اس علم کا ثابت کرنا شرک ہوا اور شیطان و ملک الموت کے لیے شرک نہ ہوا تو ثابت ہوا کہ انبٹھوی صاحب کے نزدیک خدا نے شیطان و ملک الموت کو اپنی خدائی میں شامل کر رکھا ہے۔

۶۔ جب اس علم کا حضور کے لیے ثابت کرنا شرک ہے تو مخلوق کے جس فرد کے لیے بھی ثابت کیا جائے، شرک ہی ہے گا۔ لہذا شیطان و ملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت کر کے قرآن و حدیث نے شرک کی تعلیم دی۔

علامہ خلیل احمد انبٹھوی، مولوی براہین قاطعہ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دہلی، ص ۵۵

۷. جب اُسے شیطان و ملک الموت کے لیے نعرہ صر سے ثابت مان لیا تو مخلوق میں سے کسی فرد کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا شرک نہ رہا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ علم خدا کی صفتِ خاصہ نہیں ہے۔

۸. دریں حالات حضور کے لیے اس کا ثبوت ماننے کو شرک ٹھہرا کر ائمہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی ہے۔

۹. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ علم ثابت کرنے والی تمام آیتوں اور حدیثوں سے آنکھیں بند کر کے لکھ دینا کہ فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کوئی نص قطعی ہے، یعنی ایک نص کا اقرار بھی نہ کرنا۔ ایسا کہ موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلی عداوت کھنے اور اپنے ایمان کی آنکھیں چرٹ جانے کا ثبوت دیا ہے۔

۱۰. معلوم نہیں ایسا عقیدہ رکھنے کے باوجود علمائے دلیہ بند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ علم الاولین والآخرین کس مصلحت کے تحت لکھ دیا کرتے ہیں۔

ائمہ صحابہ نے اس عبارت سے چند سطر پہلے دین و دیانت کا دامن پھینک کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اسی علم کے انکار پر ایڑھی چوٹی کا زور لگایا اور ایک بھی ثبوت نہ ملنے پر تمہیں سے کام لیتے ہوئے یہ مغالطے بھی دئیے ہیں۔

”ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعتِ علم دی اس کا حال مشابہہ اور نفوسِ قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل زائد اس مفضل سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو علم کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات سوس سے ثابت ہوتے ہیں۔ کہ خبر واحد بھی یہاں راجد نہیں۔ لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا جائے تو سب قابل التفات ہوگا۔ دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے، پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا۔“

خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الحدیث
اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں: ۱۷
موصوف نے اس عقیدے کے خلاف قرآن و حدیث ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے قرآن و
حدیث سے ایسے دو ثبوت پیش کیے جن پر شیطان بھی عیش عیش کر اٹھا ہوگا۔ انبٹھوی صاحب
نے چند سطر بعد کفر یہ عبارت سے متصل یہ بھی لکھا ہے:۔

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو
خلاف نصوس قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کوئی ایمان کا حصہ
ہے: ۱۸

ملک الموت کے علم پر مزید بحث کرتے ہوئے موصوف نے یہ بھی لکھا ہے:۔
پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت
سے افضل ہونے کی وجہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت
کے برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ: ۱۹

موصوف نے اولیاء اللہ کے لیے اسی علم کو تسلیم کرتے ہوئے یہ قلبی غیظ کا اظہار کیا ہے:۔
”ان ادبیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضورِ علم حاصل ہو گیا۔ اگر اپنے
فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرما دے ممکن ہے مگر ثبوت
مطلبی اس کا کہ عطا کیا ہے، کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے: ۲۰

دیوبندریو: قیامت ضرور آئے گی، حساب کتاب ضرور ہوگا، لہذا محشر کی پتی ہوئی زمین
پر یہ جواب دینے کے لیے تیار رہنا کہ جو علم اپنے مورث اعلیٰ شیطان ملعون کے لیے مان لیا، ملک الموت
کے لیے تسلیم کر لیا۔ ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ یعنی بارگاہ مصطفوی کے غلاموں کے لیے تسلیم کر لیا،

۱۷ حبل احمد انبٹھوی، مولوی، براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۵

۱۸ حبل احمد انبٹھوی، مولوی، براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۵

۱۹ حبل احمد انبٹھوی، مولوی، براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۶

۲۰ حبل احمد انبٹھوی، مولوی، براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، ص ۵۶

59822

وہ آپ لوگوں کے نزدیک اگر خدا نے کسی کو عطا نہیں کیا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اہل ایمان اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہی علم ثابت کریں جو ان کے غلاموں کو بھی حاصل ہے تو آپ کے نزدیک یہ شرک ہے اور شرک بھی ایسا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔ دائیں غربت اسلام! محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام اس ستم خیزی کی فریاد کس سے کریں جبکہ ..

راہزن حضرت راہ کی قبلا چھین کر

رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

۴. مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۲۳ء) نے حفظ الایمان کے نام

سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جو ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں منظر عام پر آئی، جس میں کو غلام ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں اپنے نبی اور رسول ہونے کا کھل کر دعویٰ کیا تھا۔ تھانوی صاحب سے کسی نے بعید سوال کیے تھے جن میں سے ایک سوال لفظ عالم الغیب سے متعلقہ بھی تھا۔ مستفی نے سوال کے آخر میں لکھا تھا: "زید کا یہ استدلال اور عقیدہ و عمل کیا ہے؟"

تھانوی صاحب نے لفظ عالم الغیب سے متعلق زید کے استدلال پر بحث کی اور عقیدہ و عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ایسے گستاخانہ اور کفریہ الفاظ بارگاہ رسالت میں جاری کیے کہ دین و دیانت اور شرافت و غیرت سب اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔ موصوف نے لکھا ہے "پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدرہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و غیرہ بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہونا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے اور التزام

نہ کیا جاوے تو نبی و غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔ ۱۵

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے جو باتیں قاری کے پردہ ذہن پر آتی ہیں انہیں آسان اور سیدھے سادے لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱. زید جس علم غیب کے حصول کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اس سے زید کی مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔

۲. یہاں تھانوی صاحب نے علم غیب کی صرف دو قسمیں کی ہیں یعنی بعض غیب اور کل غیب آگے موصوف نے دونوں کے بارے میں اپنے فیصلے بیان کئے ہیں۔

۳. اگر زید اس وجہ سے لفظ عالم الغیب کا آپ کی ذات مقدسہ پر اطلاق کرتا ہے کہ حضور کو تمام علوم غیبیہ حاصل تھے، یہاں تک کہ ان کی ایک فرد بھی خارج نہیں رہی تھی تو موصوف نے لکھا کہ اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔

۴. اب رہ گئی صرف دوسری قسم یعنی بعض علم غیب۔ تو زید اگر بعض علوم غیبیہ کی بنا پر حضور کی ذات مقدسہ پر اس لفظ کا اطلاق کرتا ہے تو اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

۵. حضور کو اگر بعض علوم غیبیہ معلوم ہیں تو ایسے بعض علوم غیبیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہیں۔

۶. اگر بعض علوم غیبیہ کے حصول کی بنا پر حضور کو عالم الغیب کہا جائے تو چاہیے کہ مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہا جائے۔

۷. اگر زید اس بات کا التزام کر لے کہ اچھا میں ان سب کو بھی عالم الغیب کہا کروں گا تو یہ بتایا جائے کہ علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

۸. یہ ہے تھانوی صاحب کا منصب نبوت کی تحقیر و تذلیل کرنا کہ زید و عمرو وغیرہ کا ایک آدھ بات کو جان لینا اور انبیائے کرام کا بطور معجزات کے علوم غیبیہ سے مشرف کیا جانا موصوف

کو ایک جیسا نظر آیا اور پوچھنے بیٹھ گئے کہ اے کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ کاش
موصوف کے دل کی آنکھیں بند نہ ہو گئی ہوتیں اور انہیں قرآن مجید میں وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ
عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ تَرْتِيلِهِ مَنْ تَشَاءُ (۳ : ۱۷۹) اور عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ تَرْتِيلِهِ (۲۱ : ۱۷۹) کے الفاظ نظر آجاتے
تو یہ پوچھنے نہ بیٹھتے کہ علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔

۹. تھانوی صاحب کے نزدیک علم غیب سے تو کس عام آدمی کو بھی خصوصیت حاصل
نہیں ہوتی لہذا علوم غیبیہ کو نبی کے کمالات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰. اگر زید مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہنے کا التزام نہ کرے اور حضور کو کہے تو وہ اک
فرق کی وجہ بتائے جبکہ علم غیب کے باعث تھانوی صاحب کے نزدیک نبی اور غیر نبی کے
درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ ہے تھانوی صاحب کی وہ عبارت جو ۱۳۱۹ھ میں حفظ الایمان کتاب کے اندر منظر
عام پر آئی۔ اس کفریہ عبارت کے بعد تھانوی صاحب تینتالیس سال دنیا میں بقید حیات رہے
اور ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء میں ملک عدم کی جانب سدھارے لیکن اتنی مدت میں نہ کفر و ارتداد سے
توبہ کی اور نہ اپنی اس عبارت کو گھر میں بیٹھ کر یا میدان مناظرہ میں اگر اسلامی ثابت کر سکے۔ دیوبندی
حضرات نے تو انہیں اپنا بقیۃ السلف اور عمدۃ الخلف ٹھہراتے ہوئے حکیم الامت اور مجددین و
ملت بنا لیا تھا بلکہ جامع المجددین تک قرار دے لیا کہ ان میں سابقہ تمام مجددین کی خوبیاں
جمع ہیں لیکن یہ سراسر خلاف واقعہ اور محض زبانی خرچ ہے کیونکہ بیچارے تھانوی صاحب تو حق
وصداقت کے ایسے دشمن اور کفر و ارتداد کے عاشق تھے کہ پینتالیس سالوں میں نہ اپنے سر سے
کفر کا وبال اُتارا اور نہ اپنے تینوں اکابر کے کفریات کے بارے میں زبان وقلم کو حرکت دینے
کی ضرورت محسوس کی کیونکہ ان کفریہ عبارتوں میں کسی اسلامی معنی کی رمت بھی نہیں ہے۔

احقر نے ان چاروں حضرات کی وہ کفریہ عبارتیں سیاق و سباق سمیت پیش کر دیں اور ان
سے متعلقہ بعض دیگر عبارتیں پیش کر کے مصنفین کے مفہوم کی مزید وضاحت کر دی۔ محبت و نفرت
سے بالاتر ہو کر ان عبارتوں کا جو مطلب ایک عام قاری کے ذہن میں آسکتا ہے وہ آسان لفظوں

میں نمبر وار پیش کر دیا ہے۔ فریقین کے علماء نے ان کی تائید و تردید میں جو بحثیں کیں اور دلائل پیش کیے، ان سطور میں طوالت سے بچنے کی خاطر انہیں نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ طرفین نے آج تک جو ان عبارتوں کی تائید و تردید میں کہا ہے اس کو ہم نے اپنی کتاب کھلا خط میں سمیٹ رکھا ہے جو منظر عام پر آنے والی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ احقر نے یہ محنت محض اس لیے کی ہے کہ جو حضرات مغالطے میں ہوں شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہو جائے۔ اِنْ اُمِرْتُ اِلَّا بِالْاِصْلَاحِ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ . رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّرَّابُ الرَّحِيْمُ . وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى حَبِيْبِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ۔

گدائے دسرا اولیاء عبدالحکیم خاں اختر
مجددی مظہری شاہجہان پوری
لاہور

۶ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ
مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

انگریزوں نے سونے کی چڑیا دیکھ کر اپنے بھوکے ملک سے افلاس دور کرنے کی خاطر متحدہ ہندوستان کے خوشحال ترین صوبہ بنگال میں ایٹ ایگرنٹی قائم کی۔ جب تجارت کے پردے میں یہاں خوب پاؤں جم گئے تو ملک پر لچائی ہوئی ننگا بین ڈالنے لگے۔ حصول مقصد کی خاطر جوڑ توڑ کا جال بچھنا شروع کیا اور اپنی عیاری سے بنگال پر قابض ہو گئے۔ دیسی غداروں اور زر خرید کارندوں کے باعث یکے بعد دیگرے مختلف ریاستوں پر قبضہ جاتے ہوئے ایک روز سرزمین پاک ہند کے واحد مالک بن بیٹھے۔ چونکہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت و تاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے چھینا تھا اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے لہذا ملک کے فرماؤ دانے ہی ملت اسلامیہ کو صلیب شلیت کا شیدائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی اور انگلینڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلائے شروع کر دیئے جو آتے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور بانی اسلام پر اعتراضات کی بوجھاڑ کر دیتے نیز علمائے اسلام کو جگہ جگہ دعوت مناظرہ دیتے پھرتے۔ برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا جال پوسے ملک میں بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۴ء میں لندن سے اپنے مایہ ناز پادری فائونڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھرو کانی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے آتے ہی مختلف شہروں میں تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ دعاوی کیے اور اسلام کی حقانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کیلئے عملے اسلام کو لکارا جتنا بچہ سر صولہ واقع مکہ مکرمہ کے بانی، فخر ہندوستان، پایہ حریم، مولانا رحمت اللہ کیر الہی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۰۸ھ / ۱۸۹۰ء نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈرے مناظرہ کیا اور اگرہ کی سرزمین میں اس کا سارا علمی غرور ایسا خاک میں ملایا کہ روسیابھی کو چھپانے کی خاطر پادری حساب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہو کر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔ اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی۔ علمائے اسلام ان کا علمی محاذ پر ناطقہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہتے تھے۔

۵ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تقریر و تحریر اور مناظرہ و مباحثہ کے میدانوں میں جب پادری صاحبانوں کو منہ کی کھائی پڑ رہی تھی تو ایٹ انڈیا کمپنی کو اپنا منصوبہ زندہ درگور ہوتا ہوا نظر آیا۔ ان حالات میں پرانے شکاری ایک نیا جال نلے کر نمودار ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈمنڈ سنے کلکتہ سے ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی اور خصوصاً سرکاری ملازمین کے پاس ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس کا مفہوم یہ تھا۔

اب ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی۔ تار برقی سے ہر جگہ کی خبر ایک ہوگئی۔ ریوے اور سڑک سے ہر جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی۔ مذہب بھی ایک چاہیے۔ اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی۔ ایک مذہب ہو جاؤ۔ ۱۷

انگریزوں کی ایسی عیاریوں کے خلاف لاوا پختار ہا اور دل و دماغ کھولتے رہے، جس کا

پچھلے صفحہ کا ماحشیہ؛ مولانا رحمت اللہ کیرلوی اس ملک کے مایہ ناز عالم ہوئے ہیں۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۶ء کو قصبہ کیرانہ ضلع مظفرنگر (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے ۱۲۴۰ھ / ۱۸۵۴ء میں اگرسے کے مقام پر پادری فنڈر کو شکست فاش دی۔ ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا جسکے باعث جائیڈراد ضبط ہوئی تو مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے۔ حجاز کی اسلامی حکومت نے پائے حرمین کا لقب دیا۔ تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھتے ہوئے اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کی غیر اسلامی روش کو خوب بیان کیا۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ کے اندر وفات پائی۔ ۱۷: ۱۸۵۴ء مصنفہ غلام رسول مبرص ۱۱

نتیجہ ۱۸۵۶ء میں ظالم و مظلوم اور حاکم و محکوم کے درمیان فیصلہ کن تصادم کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس معرکہ آرائی میں انگریزوں کے قدم بڑی طرح اکھڑ گئے تھے یہاں تک کہ ان کے فرار ہونے کے تمام راستے بھی مسدود تھے۔ تمام انگریزوں کو اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی لیکن وہ جوڑ توڑ کے عدیم المثال ماہر اپنے زر خرید کا زبردں اور ایکٹوں کے سہارے ۱۸۵۶ء سے ۱۹۴۷ء تک اس وطن پر مزید نوے سال کے لیے قابض ہو گئے۔

اس تصادم کے باعث انگریز بہت حساس ہو گئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پراسرار بنا دیا۔ اس منصوبے کے تحت انہیں ایسے صاحبانِ جبہ و دستار کی جستجو کرنی تھی جو تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا کام لیا جائے تو قدرت نے بھی ان کے منصوبے کو خاک میں ملانے کا اہتمام کر دیا۔ ایسے لہو صِدِّ دین کی سرکوبی اور ملک و ملت کے ان بدخواہوں کے حقیقی خدو فعال طاہر کرنے والے امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو اس مسلح تصادم سے قریباً ایک سال پہلے بریلی شریف میں پیدا کر دیا اور چودھویں صدی میں تجدید دین و ملت کا فریضہ انجام دینے کا تاج اس کے سر پر سجا دیا۔ ملت اسلامیہ کے اس بطلِ جلیل، حقانیت کے علمبردار اور اسلاف کی مقدس امانت یعنی مذہب اہلسنت و جماعت کے میباک ترجمان کے تجدیدی کارنامے کو ہم نے معارفِ رضا کے تاریخی نام سے چار ضخیم جلدوں میں بیان کیا ہے۔ بار اول میں ان صاحبانِ جبہ و دستار کے چہروں سے پوری طرح نقاب ہٹائیے جو حکومت و ملت یا ملت پرست اکثریت کے نفسِ ناظمہ بن کر رہبری کے بھیس میں رہنمائی کر رہے تھے۔ افسوس!

۵ راہزنِ خضر رہ کی قبا چھین کر
راہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

۱۸۵۶ء کے بعد انگریز اگرچہ پوسے ملک پر قابض ہو گئے لیکن اس معرکہ آرائی سے جو کہ ان کی طاقت کا بھروسہ کھول دیا تھا، لہذا اب وہ حساس ہو گئے اور اپنی اسلام دشمنی کو پراسرار بنا لیا۔ جو زہر پہلے جبراً کھلاتے تھے اب وہ ایسی گولیوں کی صورت میں ہتھیار کے سلسلے سے آئے گئے جو دیکھنے میں خوشنما اور کام و دین کو تیریں معلوم ہوتی تھیں۔ ایسے اس ظالمانہ منصوبے کو کہ میباہی سے ہمدردی کی خاطر اور منزلِ مقصود پہنچانے کے لیے

نے اپنے لیے دو راستے تجویز کیے ۔۔

پہلا راستہ یہ مسلمانوں کے زیر تعلیم ذہنوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی مشینز کے پڑزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو کہا جاسکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پا کر نکلے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق نہ آئے۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے ہیں لیکن اسلامی تعلیم و تہذیب کے نشاۃ ہو جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ و روپ میں منصفہ شہود پر جلوہ گرہوں گی جس کے باعث ان کا زاویہ نظر ہی بدل جائے گا۔

دوسری جانب مذہبی رہنماؤں یعنی حضرات علماء کرام کو قوم کا ایسا عضو معطل بنا دیا جائے کہ بظاہر وہ کسی مصرف کے نظر نہ آئیں۔ قوم ان سے وابستہ نہ رہے، ان کی عقیدت کھو بیٹھے تاکہ اسلام کی برکتوں سے بڑی حد تک محروم ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے برٹش گورنمنٹ نے سب سے پہلے یہ قدم اٹھایا۔

ابتداء میں مدرسوں اور کالجوں کے اندر تعلیم کا طریقہ دوسرا تھا۔ وہ تمام السنہ (زبانیں) و علوم پڑھائے جاتے تھے جن کا پہلے رواج تھا مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، فقہ، حدیث، ہندو دھرم کی کتابیں وغیرہ۔ ان کے ساتھ انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بعد ازاں عربی اور فارسی کی تعلیم بہت کم ہو گئی، فقہ و حدیث اور دوسری مذہبی کتابیں بند کر دی گئیں، اردو اور انگریزی کا زور ہوا۔ مذہبی علوم کی تعلیم ختم ہونے پر تشویش تھی ہی، اچانک حکومت نے اشتہار دے دیا کہ جو شخص سرکاری سکولوں اور کالجوں کا تعلیم یافتہ ہوگا یا فلاں فلاں علوم اور انگریزی میں امتحان دے کر سند حاصل کرے گا اسے دوسروں کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔

انگریز تو مسلمانوں کو اس رنگ میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے آشنا ہو کر اسلام سے وابستہ رہے اور اسی وجہ سے حدیث و فقہ وغیرہ کی تالیفیں ختم کر دی تھی، عربی و فارسی برائے نام رکھی اور سارا زور انگریزی تعلیم پر دیا تاکہ سکولوں اور کالجوں میں

تربیت پانے والے نو نما مان و من کو زبان نمانے کے بجائے باور اور عمل بنایا جائے تاکہ وہ اسلام کے کام نہ آئیں اور ہمیشہ انگریزوں کے گنہگار بنیں۔

لیکن اس ستم ظریفی کی داد دینے والے کہاں سے آئیں کہ دنیا کی سب سے بڑی نظریاتی مملکت میں جس کے متعلق کبھی کہا جاتا تھا: پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جس کے متعلق یہ باور کرایا جاتا تھا کہ پاکستان میں انسانوں کی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی حکمرانی ہو گی۔ آج اُسے معرض وجود میں آئے چالیسواں سال گزر رہا ہے لیکن معمولی سی ترمیم کے ساتھ سکولوں اور کالجوں میں انگریزوں جیسا نصاب تعلیم ہی جاری ہے۔ اگر اسلامیات کی تعلیم کا کچھ عنصر نظر آنے لگا ہے تو اُسے سیاست کے مشاعرے میں ردیف اور تافیہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے جبکہ باقی سب خیریت ہے۔ آئین ایسے نافذ ہوتے رہے ہیں جو خدا اور رسول کے فرمودہ آئین کی ترجمانی سے بڑی حد تک تاصر تھے۔ ان میں چند اسلامی باتیں مصلحتاً محض دکھادے کی غرض سے شامل کر لیتے اور باقی سارے کا سارا کسی مغربی ملک کے آئین کی نقل ہوتا تھا۔ اسلامیات پاکستان انہیں دیکھ کر پہلے کف افسوس ملتے اور پھر یہ کہتے ہوئے رہ جاتے تھے:۔

ہم بدلنا چاہتے تھے نظم میخانہ تمام

آپ نے بدلایا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

جب انگریز نے اسلامی تعلیمات کو سکولوں اور کالجوں سے خارج کر کے سارا زور انگریزی تعلیم پر دینا شروع کر دیا تو اس اقدام کی تائید و حمایت کرنے کی خاطر سر سید احمد خاں (المتوفی ۱۸۹۸ء) کی سرکردگی میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا۔ یہ لوگ قوم کے سامنے رہنماؤں اور خیر خواہوں کے بھیس میں آئے لیکن ان کے دین و ایمان کا بیڑہ غرق کرنے، برٹش اقتدار کی جڑیں پامال تک پہنچانے اور مسلمانوں کا منہ حرم سے لندن کی جانب پھرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے مرحلے میں جب دینی علوم کو نصاب سے خارج کیا، عربی فارسی کو برائے نام رکھا نیز اردو اور انگریزی تعلیم

پر زور دینا شروع کیا تھا تو حکومت نے اس سوچے سمجھے منصوبے کو مسلمانوں کے ہم میں
گھس گھس کر پھیلنے پھیلنے والے خیر خواہانہ حکومت کے منصوبے کو اپنی تجویز کی شکل میں یوں
حکومت کے سامنے پیش کرتے ہیں...

سہ ماہیہ تعلیم جو چند سال سے جاری ہے وہ تربیت کے لیے ناکافی ہی نہیں بلکہ بخراب
کرنے والا تربیت اہل ہند کا ہے۔... پیرامی صاف رائے ہے کہ اگر گورنمنٹ اپنی
شکرگاہی زبانیں عاید دینے سے الکل اٹھا دے اور صرف انگریزی مدرسے اور اسکول جاری
کے بدلے بلڈ گورنمنٹ کا ماہ گورنمنٹ بیٹن سے ہے، جاتی ہے، صاف صاف
بگ سال ہیں کہ سرکار انگریزی زبان کے لیے سے تربیت کرتی ہے اور انگریزی زبان بلاشبہ
ایسی ہے کہ انسان کی ہر قسم کی علمی ترقی اس میں ہو سکتی ہے۔

اب انگریزوں کو مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کے لیے خود زحمت نہیں برداشت کرنی پڑتی
تھی بلکہ جو کچھ وہ کرنا چاہتے اُسے تجارتی کی صورت میں حکومت کے نفس ناطقہ یعنی ویسی
کارندے حکومت ہی کے سامنے پیش کرتے اور برٹش گورنمنٹ نے انہیں مسلمانوں کے
لیڈر خیر خواہ اور رہنما منوانے کی ہم زور شور سے چلائی ہوئی تھی، جس کے باعث قوم
کے کتنے ہی افراد انہیں اپنے حقیقی خیر خواہ سمجھ کر ان کی ہمنوائی کا دم بھرنے لگے اور اس طرح
حکومت اپنا مقصد حاصل کر لیتی۔ تعلیم و تدریس کے سارے نظام کو غیر اسلامی خطوط پر
استوار کرنے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے سر سید احمد خاں صاحب کے مرزا غلام احمد قادیانی اور
اپنے زر خرید علماء کی طرح جہاد کی مخالفت کر دائی۔ چنانچہ موصوف نے مسلمانوں کو ان دلوں یوں
تلقین کی تھی۔

مسلمان انگریزی گورنمنٹ کی رعایا اور منامن ہیں اور اپنے فرائض نہیں

بلا زحمت ادا کرتے ہیں۔ وہ شریعت اسلام کی رو سے بتقابلہ انگریزوں
کے نہ جہاد کر سکتے ہیں، نہ بغاوت، نہ کسی قسم کا فساد ان کو ہندوستان میں
انگریز گورنمنٹ کے زیر حکومت اسی اطلاع دفرانہ داروں کے سانچے اور پڑے

مذہب اسلام کے رہنما واجب ہے جیسا کہ ہجرت اولیٰ میں مسلمان حبش میں جا کر
یاد شاہ کے زیر حکومت رہے تھے" لے

جذبہ جہاد کو سرد کرنے اور اسلامیان ہند کو انگریز بہادر کی چوکھٹ پر جھکانے کی خاطر
سر سید احمد خاں صاحب نے اپنی عمر عزیز ہی ضائع کر دی اور ان کے تمام تر ساتھی بھی اپنی اپنی
لے میں بظاہر دلکش آواز میں مسلمانوں کو مسحور کرنے اور برٹش نواز بنانے کے لیے وقف ہو کر
رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد موصوف نے اپنے جملہ وہابی بھائیوں یعنی ساری
خارجی برادری کی یوں حکومت کے سامنے صفائی پیش کی ۔

اس (دہانی) کو یہ کہنا کہ درپردہ تخریب سلطنت کی فکر میں چپکے چپکے
منصوبے باندھا کرتا ہے اور غدر اور بغاوت کی تحریک کرتا ہے، محض تہمت ہے
اور ہم اس وقت بہت سے ایسے آدمی نشان دے سکتے ہیں جو سرکار کے ایسے
ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ سرکار کا خیر خواہ اور معتمد نہیں، بایں ہمہ وہ اپنے تئیں
علی الاعلان اور بے تامل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں۔ سرکار نے بے سوچے سمجھے
ان کو معتمد نہیں گردانا، بلکہ غدر کے زمانے میں جب کہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی
تو ان کی وفاداری کا سوا اچھی طرح تا یا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم ہے۔
اگر وہ جہاد کا وعظ کرتے اور بغاوت دہا بیت کی اصل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور
میں آیا، یہ کیوں نہ ظہور میں آتا" لے

جناب الطاف حسین حالی پانی پتی نے اپنے قافلہ سالار لشکر کی انگریز دوستی کو ان لفظوں

میں بیان کیا ہے۔

ان (سر سید احمد خاں صاحب) کی نہایت پختہ رٹ تھی کہ ہندوستان
کے نئے انگلش گورنمنٹ سے بہتر، گو کہ اس میں کچھ نقص بھی ہوں، کوئی گورنمنٹ
نہیں ہو سکتی اور اگر امن و امان کے ساتھ ہندوستان کچھ ترقی کر سکتا ہے تو انگلش

لے حیات جاوید، مصنفہ عالی پانی پتی، ص ۲۳۲

۲۴ ایضاً، ص ۱۳۳

گورنمنٹ ہی کے ماتحت رہ کر کر سکتا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ گورنمنٹ ہندوستان کی حکومت کرتی ہیں انگریزوں کو متعدد لڑائیاں لڑنی پڑی ہوں مگر درحقیقت نہ انہوں نے یہاں کی حکومت بزور حاصل کی اور نہ مکر و فریب بلکہ درحقیقت ہندوستان کو کسی حاکم کی اس کے اصلی معنوں میں ضرورت تھی۔ سو اسی ضرورت نے ہندوستان کو ان کا محکوم بنا دیا۔ ۱

انگریز جیسی ظالم و جاہل قوم کی یہ قصیدہ خوانی اور ان مکر و فریب کے مجسموں کی ایسی مدح سرائی بلاوجہ نہ تھی بلکہ یہ ملت فرودستی کے عوض ملنے والے لقمہ زہر کا کرشمہ تھا، جس کی خود انہوں نے یوں وضاحت فرمائی ہے۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری منصف گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ ہے

اس کی بہت روشن دلیل یہ ہے کہ ہماری قدر دان گورنمنٹ نے خیر خواہ مسلمانوں کی کیسی قدر و منزلت کی اور عزت و آبرو کی، انعام و اکرام اور جاگیر و پیشن سے بہال کر دیا ہے، ترقی و عہدہ اور فزونی مراتب سے سرفراز کیا ہے۔ پھر کیا یہ ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان نازاں ہوں اور دل و جان سے اپنی گورنمنٹ کے شکر گزار اور شاخوں رہیں؟ ۲

سر سید احمد خاں صاحب یوں تو علم منقول و معقول سے بڑی حد تک محروم تھے لیکن اپنے پڑھے لکھے ساتھیوں کے سہارے حکومت کے اشاروں پر دین مبین میں تخریب و تخریب کا شرمناک کام بھی عم بھر پوری جرات اور دیدہ دلیری سے کرتے رہے تھے۔ چنانچہ موصوف کے سوانح نگار، جناب عالی صاحب نے جیات جاوید کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے :-

ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے جس نے جالیس برس برابر تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے۔ تقلید کی جڑ کاٹی ہے۔ بڑے بڑے علماء و مفسرین کو تاراج ہے، اماموں اور مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے،

۱۔ جیات جاوید، مضمونہ عالی پانی پتی، ص ۶۸۲ ۲۔ ایضاً، ص ۱۵۷

قوم کے پکے پھوٹے کو چھیڑا ہے، ان کو کڑوی دوائیں پلائی ہیں، جن کو مذہب کے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے اور دوسرے نے زندقہ خطاب کیا ہے۔
 سر سید احمد خاں صاحب نے حکومت کے اشارے پر فقہ ترک کی خاطر ساری امت محمدیہ کے خلاف اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے موڑ میں آکر قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ بظاہر مسلمانوں کے خیر خواہ بنتے تھے لیکن مقصود ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنا تھا۔ اس تفسیر میں دل کھسکے معنوی شریف کی تائید اصل قرآنی مفہوم و مطالب سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی جائے اور انہیں مسلمان عیسائی بنائے۔ ان کے حرمین دین و ایمان میں آگ لگانے کی خاطر خیر سے مفسر قرآن بھیج دیا بیٹھے۔ اس رسوائے زمانہ تفسیر کے بارے میں حافی صاحب نے ٹوں بد حالی میں وضاحت لکھی ہے۔
 الحمد للہ اس حق کو تفسیر کی بدولت ان رسوائی مہلک بیماریوں سے آنکھیں صحت ملا مسلمانوں کے پاک دلوں میں وہ گندمی گندمی بائیں جمی ہوئی تھیں جیسے کعبے کے بتاں، اب ان کا ایک بیک دور ہونا خدا کے مقدس کلام کی تفسیر کا نغیب ہے۔ ہم اس احسان کے بدلے اپنی کھال کی تریاں بنا دیں تو حضرت کی تفسیر کے ایک فقرے کا معادضہ نہ ہوگا۔

سر سید احمد خاں صاحب کا عقیدہ تھا اور مسلمانوں کو یہ تاثرات ہے۔ لفظ تحریف قطعاً نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ بھی قرآن مجید کی طرح "تشیخ" ہے۔ اور اس کے اندر صرف معنوی تحریف ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی صورتاً سبب اور عیسائیت کی جانب مائل کرنے کا وہ زبردست اقدام ہے جو متحدہ ہندوستان کے ایمان کے رہنما اور اسلام و مسلمین کے بڑے سے بڑے بدخواہ سے نہ ہو سکتا۔ بھگت پادری صاحبان بھی اس کے عشرہ عشیرہ کو نہ پہنچ سکتے۔ انجیل کو غیر محرف ماضی صورت میں قرآن کریم کا آسمانی کتاب ہونا خود غلط ہو رہا جاتا ہے کیونکہ ایک سالہ اصلی صورت میں موجود ہو تو دوسری صورت کہاں ہوئی ہے؟ اس سلسلے میں پادریوں کے سوانح نگار نے بوں تصریح کی ہے:

۱۵۰ جیات جادیہ مضافہ عالی پانی پتی، ص ۱۵۰، ایضاً ص ۱۵۰

تیسرے محققین اور اکابر اسلام مثل امام اسمعیل بخاری، امام فخر الدین رازی، شاہ ولی اللہ
 محدث دہلوی وغیرہم کے اقوال سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح عیسائی
 کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں اور جس قسم کی تحریف کو عیسائی محققوں
 نے تسلیم کیا ہے صرف اسی قسم کی تحریف آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے کتب مقدسہ میں
 پائی جاتی ہے۔

موصوف نے انجیل کی تفسیر بھی لکھی تھی اور اس میں انگریز پرستی میں سرشار ہو کر عیسائیوں سے کہا تھا:
 یقیناً میں بائبل کا اتنا ہی طرف دار اور مؤید ہوں جقدر کہ آپ ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے
 کہ میں ڈاکٹر کلنزو کے اعتراضات کا اپنی تفسیر کے مناسب حصوں میں، جب
 ان کا موقع آئے، جواب دوں۔

گویا کروڑوں روپیہ خرچ کر کے حکومت جو مقصد سینکڑوں پادریوں کے ذریعے حاصل نہ
 کر سکی وہ چند سکوں کے بدلے سرٹید اینڈ کمپنی کے مسلم ناپادریوں کے ذریعے بڑی آسانی اور پوری
 رازداری سے حاصل ہونے لگ گیا تھا۔ چنانچہ بائبل کی علی گڑھی تفسیر کے بارے میں اپنے غیر اسلامی
 خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جناب حال پانی پتی نے مسلمانانِ پاک و ہند کو مسلم ناما عیسائی بنانے
 اور حکومت کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی خاطر یہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز بیان دیا تھا:
 یہ تفسیر جو انجیل کو بجائے لغو سمجھنے کے، جیسا کہ اب تک خیال تھا، واجب التعظیم
 بیان کرتی ہے اور اس کا ثبوت خود قرآن سے دیتی ہے، اس قابل ہے کہ اس کا
 ترجمہ مسلمانوں کی ہر زبان اور بالخصوص عربی میں ہو کیونکہ مسلمانوں کے واسطے اس
 سے زیادہ مفید بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ انجیل کو اسی عزت کی نگاہ سے
 دیکھنے لگ جائیں جس سے وہ قرآن کو دیکھتے ہیں۔

سر سید احمد خان صاحب کے اسلام دشمنی اور برٹش نوازی کے مفہوم خیالات کو پنجاب
 کے سوا پورے متحدہ ہندوستان کے سر صوبے میں نگاہ حقارت سے دیکھا گیا اور ٹھکرا دیا گیا تھا

۱۶۸ ص ۱۶۸

۱۶۲ ص ۱۶۲

کیونکہ وہ مکمل طور پر اسلام دشمنی اور انگریز پرستی کے آئینہ دار تھے۔ یہ تحریف دین اور اسلام و مسلمانوں کی بدخواہی کا ایسا شرمناک ڈرامہ تھا جس کی نظیر پہلے ملک کے اندر دیکھنے میں آئی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلسنت کے علاوہ وہابی علماء نے بھی موصوف کے خیالات کی تردید کی اور ان سے اظہار برأت کیے بغیر نہ رہ سکے۔ کتنے ہی علماء نے موصوف کے غیر اسلامی عقائد و نظریات کے باعث ان کی تکفیر میں فتوے جاری کیے۔ حالات کی یہ ستم ظریفی ہے کہ آج تک برٹش فوآزڈ طبقہ یہ کہہ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا آ رہا ہے کہ سرسید احمد خان صاحب پر انگریزی زبان کی حمایت کرنے اور علی گڑھ کالج قائم کرنے کی بنا پر کفر کے فتوے لگائے گئے تھے حالانکہ ایسا ایک بھی فتویٰ نہیں دکھایا جاسکتا جو اس کے باعث موصوف کی تکفیر میں جاری کیا گیا ہو۔ دلیوبندی جماعت کے مقتدر عالم، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے کسی معتقد کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ سرسید کی وجہ سے ہندوستان میں گڑ بڑ پھیلی لوگوں کے عقائد خراب ہوئے۔ فرمایا گڑ بڑ کیا معنی اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے۔ ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کھول گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کوسے ہوتے ہیں۔ ۱۷

دوسرے کسی موقع پر موصوف نے نیچریت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا:۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سرسید احمد خاں کی وجہ سے بڑی گمراہی پھیلی۔ یہ نیچریت زینہ ہے اور جڑ ہے الحاد کی۔ اس کی پھر شاخیں چلی ہیں۔ یہ قادیانی اسی نیچریت ہی کا اول شکار ہوا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ استاد یعنی سرسید احمد خاں سے مادی لے گیا اور نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ ۱۸

مدرسہ دلیوبندی کے سابق صدر علامہ النور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء) نے بانی نیچریت کے متعلق لکھا ہے:۔

۱۷ الافاضات الیومیہ، جلد پنجم، ص ۸۳ ۱۸ الافاضات الیومیہ، جلد پنجم، ص ۱۰۶

سر سید دھو سر جبل نہ تداقی او
 سر سید زیندیق یعنی محمد آدمی ہے یا جاہل اور
 جاہل ضال لہ
 گمراہ ہے۔

دوسرا راستہ

انگریزوں نے جو بی جانتے تھے کہ سر سید احمد خاں اور ان کے حواریوں کے ذریعے مغربی نظام تعلیم و رائج کرنے میں تو خاطر خواہ مدد ملی ہے اور ان لوگوں کی وساطت سے سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں غیر اسلامی عقائد و نظریات شامل کر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے نئی نسل کا ایمان تباہ و برباد ہوتا ہے گا لیکن علمائے اسلام سے وابستہ رہنے والے مسلمان کبھی ان لوگوں کے آگے گھاس ڈالنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ لہذا برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوانے کی خاطر بااثر علماء کی ضرورت تھی۔ چنانچہ فرنگی شاطر نے ایسے بعض صاحبانِ مجتہد و دستار خرید لیے اور ان کے ذریعے دہلی کالج سے مولوی ملوک العلی نالوتوی (المتوفی ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۱ء) کی سرکردگی میں مطلوبہ علماء کی کھیسپ نیا کر والی گئی ان حضرات کے ذریعے تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا کام ایسی انداز سے لیا گیا کہ شیطان بھی شش در شش راٹھا ہو گا۔ ہم نے ایسے تخریب کار علماء کے حقیقی خود خال دکھانے کی خاطر معارفِ رضیہ جداول میں اتنا ٹھوس اور واقف تارخی مواد جمع کر دیا ہے کہ دوسری کسی تصنیف میں شاید آج تک نظر نہ آیا ہو گا۔

یہاں ان چند اکابر دیوبند کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے اشارہ چشم و ابرو اور اس کے ذہنیوں نذرانوں کے طفیل مقدس شجر اسلام میں پوری دیدہ دلیری سے غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگائیں اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۲۱ء) کو سلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر جن کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ اسی المیہ کے بارے میں مدرسہ دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء) نے صاف لکھ دیا تھا:

اگر خاں صاحب (فاضل بریلوی) کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے تھے جیسا کہ انہوں نے انھیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر

وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے.... کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔
 مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) انیسویں صدی کے آخر میں پہلے
 پہلے بیانات دے رہے تھے۔ کبھی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے، کبھی بتاتے کہ میں کرشن ہوں کبھی
 حیات مسیح کا انکار کر کے ان کی قبر کشمیر میں بتاتے اور کبھی مسیح موعود اور محدث وغیرہ بنتے رہے۔
 علمائے اسلام تردید کرتے رہے اور سمجھے کہ شاید اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے لیکن برطانوی
 شرارت کار اس وقت کھلا جب انہوں نے صاف لفظوں میں ۱۹۰۱ء کے اندر کھل کر
 نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (المتوفی ۱۳۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) نے مرزا صاحب سے
 پہلے دعویٰ نبوت کی جانب راستہ بنانا شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لیے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء
 میں تحذیر الناس کے نام سے ایک کتاب لکھ کر مسلمانوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ فخر دو عالم ^{تعالیٰ} علیہ السلام
 کو بلحاظ زمانہ آخری نبی ماننا جا بلوں کا خیال ہے قرآن کریم کا انکار ہے۔ ساتھ ہی تصریح کر
 دی کہ حضور زمانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں یعنی یہ نہیں کہ آپ
 سب سے آخر میں آئے ہیں بلکہ آپ کا مرتبہ سب سے آخری یعنی بلند و بالا ہے اور اسے خاتمیت
 قرار دیتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد اگر ہزاروں نبی اور بھی پیدا ہو جائیں تب بھی
 خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور موصوف نے ساتھ ہی یہ اعتراض بھی کر لیا
 کہ آج تک کسی بڑی سے بڑی ہستی کا ذہن خاتمیت کے حقیقی معنی تک پہنچا ہوا نہیں تھا بند
 حقیقی مفہوم تک آج تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد رسائی ہوئی ہے اور وہ بھی صرف مولوی احمد قاسم نانوتوی
 کی جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی نگاہِ نطف و گرم سے تحذیر الناس لکھ کر ٹھکانے پر تیار کر دیا ہے۔
 مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) نے اپنے ایک مہتری دستخط
 فتویٰ میں اللہ جل شانہ کو کاذب بالفعل ٹھہرا دیا۔ ان کا یہ فتویٰ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں میرٹھ
 سے شائع ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے اس شرمناک اور صریح کفریہ فتوے کا رد شائع ہوا۔
 لیکن مرتے دم تک گنگوہی صاحب نے پندرہ سالوں میں اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا

۱۳۰۱ھ شد العذاب، مصنف مولوی مرتضیٰ حسن درجنگی، ص ۱۲

اور نہ اس کی کوئی تاویل و توجیہ ہی پیش کر سکے۔ جب پندرہ سال بعد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی جانب سدھار گئے تو موصوف کے معتقدین و متوسلین علمائے دیوبند نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ تو ہمارے حضرت قطب الاقطاب اور امام ربانی صاحب پر تہمت ہے۔ ہمارے گنگوہی صاحب نے ہرگز ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا اور نہ کسی جگہ سے شائع کروایا۔ جب ان مناظرین سے کہا گیا کہ یہی بات آپ نے مذکورہ پندرہ سالوں کے اندر گنگوہی صاحب کے جیتے جی کیوں نہ کہی تو فہمت الٰذی کفر کا منظر سامنے آجاتا ہے۔

مولوی خلیل احمد صاحب انبھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) کی رسوائے زمانہ کتاب برہین قاطعہ پہلی مرتبہ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی۔ موصوف نے محیط زمین کا علم شیطان اور ملک الموت کے لیے نصوص سے ثابت بنا کر ایمان کی آنکھ پر یوں ٹھیکری رکھ دی کہ اسی علم کو سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ماننا اور ثابت کرنا ایسا شرک ٹھہرا دیا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس عبارت کے مفاد سے دو شقیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اگر محیط زمین کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا واقعی شرک ہے تو لازم آئے گا کہ شیطان اور ملک الموت کو خدا نے خود اپنا شرک بنا لیا ہے اور یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ قرآن و حدیث بھی شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔

۲۔ انبھوی صاحب کے نزدیک قرآن و حدیث اگر شرک کی تعلیم نہیں دیتے نیز شیطان اور ملک الموت کو بھی وہ خدا کے شرک نہ سمجھتے ہوں تو جو چیز قرآن و حدیث سے مخلوق کے ایک فرد کے لیے بھی ثابت ہے وہ دوسرے فرد کے لیے ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ چیز اس دوسرے فرد کے لیے نصوص سے ثابت ہے یا نہیں، لیکن دریں حالات شرک کیسا ہے۔ غرضیکہ کسی بھی شق پر محمول کیا جائے، برصورت میں انبھوی صاحب کی وہ عبارت صریح کفریہ ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) کی حفظ لایان پہلی دفعہ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں منظر عام پر آئی۔ یعنی جس سال مرزا غلام احمد قادیانی کھل کر نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اسی سال دیوبندی حضرات کے مجدد دین و ملت نے شان رسالت میں یہ کھلی گالی

شائع کروائی۔ موصوف کے کسی نے پوچھا کہ زید فلاں دلائل کے تحت خدا کے سوا دوسروں پر بھی لفظ عالم الغیب کے اطلاق کو جائز بتاتا ہے واضح کیا جائے کہ زید کے عمل اور عقیدے کا حکم کیا ہے؟ تھانوی صاحب نے اس عمل اور عقیدے کا شرعی حکم بتاتے ہوئے کہا کہ اگر ایسا عقیدہ کل غیب کی وجہ سے رکھا جاتا ہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے اور اگر بعض علم غیب کی وجہ سے یہ عقیدہ ہے تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔

یہ ہے تھانوی صاحب کی عبارت کا آسان لفظوں میں مفہوم جو یقیناً شان رسالت کی ایسی گستاخی اور اہانت پر مبنی ہے جس کی جرأت کبھی کھلے کافروں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ دیوبندی حضرات ہی کا دل گردہ ہے کہ جب ان کے بعض علماء نے اللہ اور رسول کی شان میں گندے عقیدے اور توہین آمیز کلمات جاری کیے تو انہوں نے اللہ اور رسول کا ساتھ چھوڑ کر اپنے علماء کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ یہی تو شرک کا وہ انتہائی درجہ ہے جسے قرآن کریم نے اتخذا و اجبارہم و رہبانہم امر یا با من دون اللہ کے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اسی شرک و کفر کے سمندر میں پڑے رہنے کے باعث ان حضرات کو

خالص مسلمان بھی مشرک نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کفریات کی ابتداء مولوی محمد قاسم صاحب نالوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۲ء میں تحذیر الناس نامی کتاب لکھ کر کی جبکہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچوں حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند کے اندر ادا کیا۔ جائے غور ہے کہ کیا سمجھانے بچھانے، خوف خدا اور خطرہ روز جزا یاد دلانے کے لیے ہر تیس سال کی مدت کافی نہیں تھی؟ اس دوران میں علمائے اہلسنت اور دیوبندی علماء کے درمیان متعدد مناظرے ہوئے۔ طرفین سے سینکڑوں کتابیں ان کفریات کے باعث لکھی گئیں، لیکن اللہ اور رسول کے ان دشنامیوں نے پرنالہ اسی جگہ رکھا اور کفریات کھنسنے اور شائع کروانے والے چاروں اکابر دیوبند میں سے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ کسی سنی عالم کے سامنے ایک دفعہ بھی میدان مناظرہ میں آنے کی جرأت کرتا اور اپنی خرافات کی تاویل و توجیہ پیش کرنے کی جرأت کرتا۔ انہیں ذرا بھی اسلامی ثابت کرنے کی گنجائش نظر آتی تو ضرور سامنے آتے لیکن تم بالائے ستم تو یہ کہ انھیں بدل کر اسلامی بنانے پر بھی ان میں سے کوئی آمادہ نہ ہوا۔

اُن حضرات کے راہ راست پر آنے، کفریات سے توبہ کرنے کی جب کوئی امید نظر نہ آئی تو
 ۱۳۲۰ھ میں ان کی تحفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا گیا اور اس کے تین سال بعد ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء
 میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو سر در کون و مکان صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بارگاہ
 بیخس پناہ میں بلایا کہ دشنامیوں کے سرگروہ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی کی موجودگی میں حرمین شریفین
 کی مقدس سرزمین پر حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ علمائے حرمین طیبین نے فاضل بریلوی کے
 فتوے سے اتفاق کرتے ہوئے اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جن کے مجموعے کا نام حسام الحرمین
 ہے نیز آپ نے مکہ مکرمہ میں اس موقع پر جو الدولۃ المکیہ اور کفل الفقہ کے نام سے کتابیں لکھیں
 انھیں بھی اپنی تقاریظ سے مزین کیا۔

علمائے حرمین شریفین نے مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی
 جلالت و وسعت کو دیکھ کر ایسا اعزاز و اکرام کیا کہ اس مقدس سرزمین پر متحدہ ہندوستان کے کسی بزرگ
 کو شایر ہی نصیب ہوا ہو۔ انہوں نے آپ سے سدی اور اجازتیں لیں جن میں سے بعض لاجازت
 المتیہ میں موجود ہیں۔ ان علمائے حرمین نے ایک جانب امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید و
 تصدیق کی اور انہیں مرجح خلافت، مرکز دائرہ تحقیق، بحر العلوم، امام زمانہ، یگانہ روزگار اور چودھوی
 صدی کا مجدد قرار دیا تو دوسری جانب اُن پانچوں حضرات کو لصوصِ دین، دائرہ اسلام سے خارج اور
 کافر و مرتد قرار دیا۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ جو ان کے کفریات پر مطلع ہو کر ان کے غیر مسلم ہونے میں
 شک کرے وہ بھی کافر و مرتد ہو جائے گا۔ یہ فیصلہ اُس مقدس سرزمین پر سرخیل مبتدعین مولوی
 خلیل احمد صاحب انبٹھوی کی موجودگی میں ہوا اور موصوف کو اس فیصلے کے خلاف بولنے، ایک
 لفظ بھی کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ ان عبارتوں کے اندر اسلامی مفہوم و معانی کی رمت تک بھی
 نہیں بہت جس کے باعث بولنے اور زبان کھولنے کی جرأت کرتے۔

علمائے حرمین کی تقاریظ کا مجموعہ حسام الحرمین کے نام سے ۱۳۲۳ھ میں اردو ترجمے کے
 ساتھ اور ۱۳۲۶ھ میں تہید ایمان سمیت منظر عام پر جلوہ گر ہو گیا۔ حرمین شریفین میں تو سرخیل مبتدعین
 کو تاریخی رو سیاہی کے باعث راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی لیکن جہلا کو درغلانے اور اندھے
 مقلدوں کو بھاری وزن دکھانے کا خاطر مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی نے گھر میں بیٹھ کر الہند

لکھنے کی چال سچی تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء) نے تحقیقات لدفع التلبیات نامی رسالے کے ذریعے الہند کی ساری جٹسازمی کا بھانڈا

سر بازار پھوڑ دیا۔

مدرسہ دیوبند کے سابق گاندھوی صدر مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے الشہاب الثاقب کے نام سے حسام الحرمین کا جواب لکھا اور اس میں شان تحقیق دیکھائی کہ گالیوں کا بین الاقوامی ریکارڈ قائم کر دکھایا۔ شاید دنیا کی کسی کتاب میں اتنی گالیاں نہ ہوں جتنی موصوف کے اس شہکار میں ہیں۔ مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء) نے الشہاب الثاقب کا انتہائی مدلل اور تحقیقی رد لکھا اور ٹانڈوی صاحب کے عام کردہ الزامات کی پوری طرح قلعی کھول کر رکھ دی۔ واضح ہو گیا کہ ان عبارتوں میں اگر ذرا بھی اسلامی پہلو ہوتا تو علمائے دیوبند صفائی میں غلط اور نامعقول راستے اختیار نہ کرتے۔

حقیقت تک پہنچنے کا زینہ

ذیل میں ہم قارئین کے سامنے جوڑہ ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں ہر انصاف پسند اور غیر جانب دار کو معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی اور حقیقت اپنے اہل رنگ روپ میں اس کے سامنے آ موجود ہوگی۔ دیوبندی حضرات بھی اگر تھوڑی سی دیر کے لیے انصاف کی عینک لگا کر ٹھنڈے دل و دماغ سے ان جوڑہ حقائق پر غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ حق و باطل انھیں واضح طور پر نظر نہ آجائیں۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ ان امرید الا الاصلاح ما استطعت و ما

توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و ایلہ انیب۔

پہلا نکتہ اگر مذکورہ کفریہ عبارتیں لکھنے والے اکابر دیوبند میں دین و دیانت کا کوئی شائبہ باقی رہ گیا ہوتا اور حکومت کی شہ پر انہوں نے تخریب دین و افتراق بین المسلمین کا پیشہ اختیار نہ کر لیا ہوتا تو جب علمائے اسلام نے ان عبارتوں پر اعتراضات کئے تھے تو اسی وقت باہمی صلاح مشورے سے ان عبارتوں کو اس طرح بدل دیتے کہ ان میں قابل اعتراض پہلو نہ رہتا اور انہیں پوری طرح اسلامی عبارتیں بنا دیا جاتا۔ آخر ایسا کرنے میں رکاوٹ کیا تھی؟ جب

ان عبارتوں کے لکھنے والوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ دورانِ تاویلات کے ذریعے ہمیں اسلامی منوانے پر مُصر رہے اور پورے ملک کے علمائے کرام کی صدائے احتجاج کو کمال دیدہ دلیری سے ٹھکراتے رہے۔ اپنی ہی چند عبارتوں کو وحی الہی کا درجہ دے لینا اور رفعِ فساد کی خاطر ان میں ترمیم نہ کرنا بلکہ جھگڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا، بھلا مسلمانوں کے خرمین اتحاد میں اس طرح آگ لگانے کو کہاں دانشمندی اور دیانت داری کہا جاسکتا ہے؟

دوسرا نکتہ

علمائے دیوبند اپنی کسی عبارت کو تبدیل کرنے اسلامی عبارت بنانے پر عمر بھر آمادہ نہ ہوئے، حالانکہ خود یا باہمی صلاح مشورے سے وہ ایسا کر لیتے تو ان حضرات کی سلگائی ہوئی آگ جو مسلمانوں کے خرمین اتحاد کو آج تک جلا رہی ہے، بھائی کو بھائی سے لڑا رہی ہے، یہ اسی وقت بجھ جاتی۔ ملتِ اسلامیہ چاروں حضرات سے کہہ رہی تھی: اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ سَ شَيْدًا لِّبَيْنِ وَهَانَ رِشْدٍ وَهَدَايَةٍ كَمَا صَرَفْنَا بِهِيَ رَهْ غِيَا تَهَا۔ جب چاروں میں سے ایک نے بھی اپنی عبارت نہ بدلی تو اس سے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ یہ حضرات حکومت کے وظیفوں اور نذرانوں کے باعث اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں خود ان کی مرضی کا دخل بھی نہیں رہا تھا اور وہ حضرات اس درجہ بک گئے کہ چوں قلم در دست کاتب ہو گئے تھے۔

تیسرا نکتہ

اگر اکابر دیوبند اپنی کفریہ عبارتوں میں خود یا باہمی صلاح مشورے سے تبدیلی کر لیتے اور اس کے بعد بھی ان کے مخالفین ان کی تردید کا سلسلہ جاری رکھتے تو واضح ہو جاتا کہ فریقِ ثانی کی نیت میں کھوٹ ہے اور وہ کسی کی شہ پر انہیں طعن و تشنیع اور بدو تردید کا نشانہ بنائے رکھنے پر مجبور ہے۔ وہاں تک تو نوبت ہی نہیں پہنچی کیونکہ ہزاروں علمائے اہلسنت کا یہی مطالبہ تھا کہ ان کفریہ عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنا لیجئے۔ ایسا کر لینے میں خود ان کا اور ساری ملتِ اسلامیہ کا مہلا تھا لیکن اکابر دیوبند نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے بلکہ اپنے خیر خواہوں یعنی سمجھانے والوں سے ہمیشہ برسہا پیکار ہی رہے حالانکہ ازراہ خیر خواہی وہ حضرات تو سمجھا رہے تھے وہ جھگڑتے تو نہیں رہتے۔ اس کے باوجود معلوم نہیں اکابر دیوبند کو جھگڑنے اور فتنہ و فساد کا راستہ

اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

چوتھا نکتہ گنگوہی صاحب جو چاروں اکابر دلیوبند میں سرخیل اور پوری دلیوبندی فوج کے قائد سالار شکر تھے، ان کا دعوے کذب باری تعالیٰ کے متعلق مہری دستخطی فتویٰ ۱۲۰۸ھ میں میرٹھ شہر سے شائع ہوا۔ اسی وقت سے علمائے اسلام نے اس کے متواتر رد شائع کر دئے جو گنگوہی صاحب اور دیگر علمائے دلیوبند تک پہنچتے رہے۔ گنگوہی صاحب نے زبان و قلم سے اس فتوے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ فتویٰ میرا نہیں ہے اور نہ ان کے متبعین میں سے کوئی بولا۔ جب پورے پندرہ سال کے بعد ۱۲۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب ملک عدم کو سدھار گئے، شہر خموشاں کے مکین جامعہ کے تو علمائے دلیوبند کی زبانیں کھل گئیں اور دلیوبندی مناظروں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ وہ فتویٰ ہمارے گنگوہی صاحب کا کب ہے؟ یہ تو ہماری گنگوہی سرکار ابد قرار پر بہتان ہے۔ کیا اس جینا داری اور دیانت داری کا کوئی ٹھکانا ہے؟

سورہ اسول کا کلمہ کیا ان کو دن بھی رات ہے
جان کر بنتے ہیں گنگوہی یہ کیسی بات ہے

پانچواں نکتہ نالوتوی صاحب تو ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۹ء میں ہی شہر خموشاں کے مکین ہو چکے تھے۔ گنگوہی صاحب بھی ۱۲۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کے وسط میں ملک عدم کی جانب سدھار گئے کیونکہ ان کی تحفیر کا پروانہ علمائے حرمین شریفین کی تقاریر سے مزین ہونے والا تھا۔ بہر حال چاروں میں سے پیچھے دو حضرات بقید حیات رہ گئے تھے جنہیں کافر و مرتد قرار دیا گیا تھا۔

۱۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی جن کا ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں وصال ہوا۔

۲۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جنہوں نے ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں رحلت کی۔

جائے غور ہے کہ مذکورہ فتویٰ تحفیر پر علمائے حرمین طیبین نے ۱۳۲۴ھ کے آخر اور ۱۳۲۳ھ

کے شروع میں تقاریر لکھیں۔ انبٹھوی صاحب ان تقاریر کے بعد بائیس سال اور تھانوی صاحب

اُن تالیس سال بقید حیات رہے۔ اس طویل عرصے میں جہاں ان حضرات نے سینکڑوں ہیر پھیریں

نیں اور ہر ممکن طریقے سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی وہاں ان حضرات کے لیے کیا یہ صاف اور سیدھا راستہ نہیں تھا کہ دونوں حضرات یا دونوں میں سے ایک ہی حرمین شریفین چلا جاتا اور بقول علمائے دیوبند

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع برید کی تھی۔

۲۔ یا علمائے حرمین کو کسی قسم کا دھوکہ دیا تھا۔

۳۔ یا علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کو من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا تھا۔

تو یہ حضرات علمائے حرمین کے سامنے اُس دھوکے کی اچھی طرح وضاحت کرتے اور انہیں حقیقت سے مطلع کر کے حقیقت پر مبنی ان کے بیانات حاصل کرتے تاکہ وہ حضرات صاف وضاحت کر دیتے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خاں نے دھوکے میں رکھا اور یہ مغالطے دیئے جن کے باعث ہم اس کے فتوے کی تائید و تصدیق کر بیٹھے تھے۔ ہمیں اب فلاں عالم نے اصل صورت حال سے مطلع کیا ہے لہذا ہمارے سابقہ بیانات اور جملہ تقاریظ کو منسوخ شمار کیا جائے۔ اگر حقیقت حسام الحرمین کے ذرا بھی خلافت ہوتی تو یہ دونوں اکابر دیوبند کبھی خاموش نہ بیٹھتے، ہرگز اپنی گردن تیغ تکفیر سے نہ کٹنے دیتے اور تصدیق کرنے والے علمائے حرمین سے ضرور بیانات تحریری وصول کرتے۔ لیکن جب صورت حال یہ سامنے آئی دونوں حضرات ساری عمر میں بھی تصدیق کرنے والے کسی ایک کئی یا مدنی عالم سے ایسا بیان حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر علمائے دیوبند کا الزام لگانا کہ انہوں نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع برید کی یا انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا یا علمائے حرمین کو کسی طرح کا دھوکا دیا یہ محض اپنا بھرم رکھنے کے لیے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں جن کے بارے میں ہر منصف مزاج اور غیر جانب دار شخص بھی کہے گا کہ ان الزامات کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور یہ دین و دیانت سے بعید ہونے کے ساتھ معاندانہ روش کی المناک اور بھونڈی تصویر ہے۔

چھٹانکہ

جب علمائے حرمین شریفین فتویٰ تکفیر پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھ رہے

تھے اور مجددِ مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مقدس سرزمین میں مدیم النظر

اعزاز و اکرام کیا جا رہا تھا تو اس وقت کے دیوبندی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی خلیل احمد صاحب

انبٹھوی وہاں بنفس نفیس موجود تھے۔ اگر دھوکہ بازی اور قطع و برید والا ذرا سا معاملہ بھی ہوتا تو ضرور انبٹھوی صاحب کی وفادرت کے خوف سے دھوکہ دیتے ہی فاضل بریلوی کو فوراً بھاگ آنا چاہیے تھا کیونکہ چور کے پیر نہیں ہوتے۔ دنیا نے دیکھا کہ امام احمد رضا ^{فان} بریلوی تو مکہ مکرمہ کے اہل علم میں ۲۳ صفر المنظر ۱۲۲۴ھ تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں اور مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچنے کا راتوں رات تکلف فرمایا مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی نے کیا کسی منصف مزاج کو حقیقت تک پہنچنے کے لیے اس کے سوا کسی اور دلیل کی ضرورت ہے ؟

ساتواں نکتہ

اس واقعے کے بعد انبٹھوی صاحب نے اپنی بقیہ بائیس سالہ اور تھانوی صاحب نے اسی سالہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسی جرات نہیں کہ تصدیق کرنے والے علمائے حرمین طیبین کی خدمت میں حاضر ہو کر بتاتے کہ جس انبٹھوی اور تھانوی عالم کی آپ حضرات نے تکفیر کی ہے، وہ ہم ہیں اور ہمیں از روئے دلائل آپ کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہے۔

آٹھواں نکتہ

اگر فاضل بریلوی نے کسی قسم کی دھوکہ بازی یا عبارات میں قطع و برید کی تھی تو جس وقت علمائے حرمین ان کی تصدیق و تائید کرنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ تکفیر پر دھوم دھام سے تقاریر لکھ رہے تھے اور علمائے دیوبند کے بقول یہ سب کچھ دھوکے میں ہو رہا تھا تو اس سے بہتر موقع زندگی میں اور کب آسکتا تھا کہ اسی وقت مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی پرٹے سے نکل کر سامنے آجاتے۔ علمائے حرمین کو صورت حال اور اس حقیقت سے مطلع کرتے جو ان کے نزدیک تھی۔ اگر عین موقع پر وہ امام احمد رضا خاں بریلوی کا ایک دھوکا یا کسی عبارت میں ایک بھی قطع و برید یا مقابل ثابت کر دیتے تو یقیناً فاضل بریلوی اس مقدس سرزمین میں اور اپنے وطن کے اندر زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے جب انبٹھوی صاحب نے ایسا نہ کیا تو ہر منصف مزاج اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ دھوکا دینے اور قطع و برید کرنے کے الزامات قطعاً بے بنیاد ہیں یعنی ۔

حافظ بخود پنوشید ایس جاہل سے آلود

اسے شیخ پاک دامن معذور دارا را

نواں نکتہ

مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی نے اسی دوران سابق منشی اخاف قاضی
مکہ مکرمہ یعنی علامہ شیخ صالح کمال کئی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) سے ۲۷ ذی الحجہ
۱۳۲۳ھ کو خفیہ ملاقات کی۔ یہ ملاقات کیوں کی بہ نتیجہ کیا برآمد ہوا ہے یہ سب کچھ اس مکتوب گرامی
کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے جو علامہ صالح کمال کئی نے اگلے ہی روز محفوظ کتب حرم، فاضل جلیل
علامہ سید اسماعیل بن سید خلیل کئی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۱۹ء) کے پاس بھیجا تھا جو حسب ذیل ہے۔

مکتوب گرامی

صاحب الفضیلہ والا خلاق والمحبۃ الجمیلۃ حضرتہ السید
اسمعیل افندی حکا فقط الکتب حضر عندنا قبل تاریخہ
سرجل من اهل الهند یقال له خلیل احمد مع بعض علماء الهند
المجاورین بمکہ یتعطف خاطرنا علیہ لانه قد بلغه
انی شدید الغیظ علیہ وان الا اعرفه شخصاً فقال یا سیدی
بلغنی انکم واحد ووز عکلی وذلک بسبب انی ذکر
بکا وقع منه فی البراہین القاطعۃ لدی حضرتہ الامیر حفظ اللہ
فقلت له لعلک خلیل احمد انبیتھی فقال نعم فقلت
له وبعیک کیف تقول فی البراہین القاطعۃ تلک المقالات
الشیعۃ وتجاوز الکذب علی اللہ جل جلالہ کیف لا اغیاط
علیک ولقد کتبت علیہا بانک سرجل زندق وکیف
تعتد وتنکر وھی قد طبعت وشاعت عنک فقال یا سیدی
ھی لی ولكن لیس فیما تجاوز الکذب علی اللہ ولكن

كان فيها فانا ثابت وراجع عما فيها مما يخالف اهل السنة
 والجماعة فقلت له ان الله يحب الثابتين والبراهين موجوده
 وساخرج لك منها هذا الذي انكرته وتجاورت به على
 الله جل شانہ فصكر ينتصل ويعتذر ويقول ان كان
 فهو مكذوب علي وانا رجل مسلم موحد من اهل السنة
 والجماعة ما قلت فيها هذا ولا غيره مما يخالف مذهب
 اهل السنة والجماعة فتحبت منه كيف ينكر بما هو
 مطبوع في رسالتك البراهين القاطعة المطبوعة بلسان الهند
 وظهر لي انه انما قال ذلك تقيبه كما درهم مثل الرافضين
 يرون التقيه واجبتة وارادت ان احضرها واحضر من
 يفرهم ذلك اللسان لا قرره وما فيها واستتبيه لكنت في
 ثاني يوم من يجيبه عندنا هرب الى جده ولا حول ولا قوة
 الا بالله احبنا اعلامكم بذاك ودمتم - محمد صالح كمال
 ۲۸ ذى الحجة ۱۳۲۳ هـ

ترجمہ مکتوب کرامی

صاحب فضیلت و اخلاق و محبت جمید حضرت سید اسمعیل آندی محافظ کتب (مؤرخ
 کل ہماے پاس ایک ہندوستانی شخص آیا جسے خلیل احمد کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بعض وہ
 ہندوستانی علماء بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں مجاورت اختیار کی ہوئی ہے وہ ہمیں اپنے اوپر
 دلی مہربان کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے خبر پہنچی تھی کہ میں اس سے سخت ناراض ہوں۔ میں اس

لہ الملفوظ، جلد دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵ تا ۱۷

کی صورت کا شناسا نہ تھا۔ اس نے کہا۔ اے میرے سردار! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ یہ اس سبب سے تھا کہ براہین قاطعہ میں اس سے جو واقع ہوا ہے میں نے اس کا تذکرہ حضرت امیر (شرعیف کتہ) اللہ اس کی حفاظت کرے، سے کر دیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تو خلیل احمد ابٹھوی ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ میں نے اُس سے کہا: تجھ پر افسوس ہے کہ تو براہین قاطعہ میں ایسی گندی باتیں کیوں کر کہتا ہے؟ اور اللہ جل شانہ پر کذب جائز ٹھہرتا ہے۔ میں تجھ پر کیوں ناراض نہ ہوں اور اس بنا پر میں لکھ چکا ہوں (تقدیس الوکیل کی تعریف میں) کہ تو زندقہ ہے تو کس طرح عذر اور انکار کرتا ہے حالانکہ وہ تیری جانب سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے کہنے لگا، اے میرے سردار! کتاب تو میری ہے لیکن اس میں امکان کذب کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر وہ اُس میں ہے تو میں تو برکتا ہوں اور ان باتوں سے رجوع کرتا ہوں جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ بیشک اللہ تو بہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور براہین قاطعہ میرے پاس ہے ابھی نکال کر دکھاتا ہوں وہ جس بات کا تو انکار کرتا ہے اور اللہ جل شانہ پر جسارت کی۔ اس پر وہ خوشامد اور عذر کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی بات ہے تو وہ مجھ پر بہتان باندھا گیا ہے اور میں تو مسلمان، مؤمن اور اہل سنت و جماعت سے ہوں۔ میں نے اُس میں یہ بات یا مذہب اہل سنت و جماعت کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ میں اس کی گفتگو سے متعجب تھا کہ کس طرح ایک ایسی بات کا انکار کر رہا ہے جو اسکے رسالہ براہین قاطعہ میں چھاپی جا چکی ہے جو ہندی زبان میں طبع ہوا۔ مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ایسی باتیں رد و انقض کی طرح ازراہ تفسیر کرتا ہے جو تفسیر کو واجب گردانتے ہیں اور میں نے (براہین قاطعہ) لانے اور ایسے شخص کو بلانے کا ارادہ کیا جو اس زبان کو سمجھتا ہو کہ اس کے مندرجات کا اُس سے اقرار کروں اور اس سے توبہ لوں لیکن وہ ہمارے پاس آنے کے اگلے ہی روز جتدہ کی جانب بھاگ گیا۔ لا حول ولا قوتہ الا باللہ میں نے اس واقعہ سے آپ کو مطلع کرنا پسند کیا اور آپ سلامت رہیں۔ محمد صالح کمال

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

اصلی صورت واقعہ تو یہ تھی، اس کے باوجود مدرسہ دیوبند کے سابق صدر یعنی مولوی حسین صاحب ٹانڈوی (المتوفی ۱۳۶۶ھ / ۱۹۵۷ء) نے گاندھیت کی ترنگ میں محمد خلیل احمد

حب اور حضرت مفتی صالح کمال کی اس ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے :-
بعد ازاں مولانا (انبٹھوی صاحب) ان سے رخصت ہو کر مفتی صالح کمال کے

سے بھی گئے۔ مفتی صاحب موصوف سے ملاقات بھی ہوئی۔ اولاً مفتی صاحب

بوجہ ان باتوں کے کہ ان کو جھوٹ جھوٹ پہنچائی گئی تھیں کبیدہ خاطر معلوم ہوتے

تھے اور کیوں نہ ہوں آخر ہر مسلمان پر ایسی باتوں کا اثر ہونا ضروری ہے مگر جب

مولانا نے حقیقت حال کا انکشاف فرمایا اور میدانِ تقریر میں جولانی فرمائی تو وہ

کبیدگی مبدل بہ فرح و سرور ہو گئی اور جملہ تقریرات حضرت مولانا کو انہوں نے

تسلیم کیا اور بہت خوش ہوئے :-

اگر ٹانڈوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات کو تھوڑی دیر کے لیے درست تسلیم کر لیں

صرف ہاں یا نہ کہنے سے بات نہیں بن سکتی کیونکہ اس واقعہ کا تعلق علمائے ہند کے بہت بڑے

علمی، فکری اور ایمانی تصادم سے ہے۔ ہر واقعہ کے اس تصادم پر اثرات دیکھے جائیں گے

کہ وہ واقعے کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب۔ مثلاً ٹانڈوی صاحب کے اس بیان ہی کو لیجئے تو

برقاری کے پردہ ذہن پر یہ سوالات ابھر آئیں گے :-

۱۔ گویا مفتی صالح کمال صاحب کو براہین قاطعہ کی جو عبارت بتائی گئی تھی وہ بات جھوٹ نکلی

اور پہلے اس کی وجہ سے جو کبیدگی تھی وہ سرت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے انبٹھوی صاحب کی

تمام تقریروں کو درست تسلیم کر لیا اور ان سے بہت خوش بھی ہو گئے تھے تو انبٹھوی صاحب

نے اگلے دن بھی نہیں چڑھنے دیا اور راتوں رات مکہ مکرمہ سے جہاک کر جدہ کیوں جا پہنچے تھے؟

۲۔ کیا مفتی صالح کمال نے ان کی تائید میں ایک لفظ بھی لکھ کر دیا؟

۳۔ موصوف نے انبٹھوی صاحب کے خلاف تقدیس الوکیل پر جو نفریٹ لکھی تھی کیا اُسے منسوخ

کیا ہے نہیں تو کیوں ہے؟

۱۔ : الشہاب الثاقب، مطبوعہ دسم ہرنگ پریس دیوبند، ص ۲۰، ۲۱

۳۔ مفتی صاحب نے تصدیق فرمائی کہ انہوں نے جو انبٹھوی صاحب کو زندہ بق قرار دیا تھا کیا وہ

فیصلہ بدل دیا ہے

۵۔ مفتی صاحب حقیقت معلوم ہونے پر انبٹھوی صاحب کے بہت خوش ہو گئے تو امام

احمد رضا خاں بریلوی سے بہت ناراض ہو جانا چاہیے تھا لیکن ایسا کیوں نہ ہوا ہے

۶۔ مفتی صاحب نے انبٹھوی صاحب سے خوش ہو گئے تو ناراض ہو کر دھوکا دینے والے امام

احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۲ صفر ۱۳۲۳ء تک مکہ مکرمہ میں بسے لیکن انہوں نے اپنی تقریظیں واپس کیوں لیں؟

۷۔ مفتی صاحب کمال پر دھوکا کھل گیا تو انہوں نے دوسرے علمائے مکہ مکرمہ کو بھی بتا دیا ہوگا

۸۔ مفتی صاحب کمال پر دھوکا کھل گیا تو انہوں نے دوسرے علمائے مکہ مکرمہ کو بھی بتا دیا ہوگا

۹۔ جب علمائے مکہ مکرمہ پر دھوکا کھل گیا تھا تو وہ ۲۴ صفر ۱۳۲۳ء تک امام احمد رضا

خاں بریلوی کا عدیم المثال اعزاز و اکرام کیوں کرتے رہے؟ ان سے سندیں اور اجازتیں کس خوشی میں لے

۱۰۔ اس خطہ ملاقات کے علاوہ کیا انبٹھوی صاحب نے تصدیق کرنے والے کسی مکی عالم کے

دھوکا دیا ہے۔ لہذا آپ بھی مطلع ہو کر اپنی تقریظیں واپس لے لیں اور مابعدت سے کبیدہ

۱۱۔ امام الحرمین کی تصدیق کرنے والے مکہ مکرمہ کے کسی ایک عالم کو بھی منہ دکھایا ہے نہیں اور یقیناً

۱۲۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ٹانڈوی صاحب کا مذکورہ بالا بیان من گھڑت، جھوٹ اور

بے بنیاد ہے

۱۳۔ اس خطہ ملاقات کے علاوہ کیا انبٹھوی صاحب نے تصدیق کرنے والے کسی مکی عالم کے

دھوکا دیا ہے۔ لہذا آپ بھی مطلع ہو کر اپنی تقریظیں واپس لے لیں اور مابعدت سے کبیدہ

۱۴۔ امام الحرمین کی تصدیق کرنے والے مکہ مکرمہ کے کسی ایک عالم کو بھی منہ دکھایا ہے نہیں اور یقیناً

۱۵۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ٹانڈوی صاحب کا مذکورہ بالا بیان من گھڑت، جھوٹ اور

بے بنیاد ہے

۱۶۔ اس خطہ ملاقات کے علاوہ کیا انبٹھوی صاحب نے تصدیق کرنے والے کسی مکی عالم کے

دھوکا دیا ہے۔ لہذا آپ بھی مطلع ہو کر اپنی تقریظیں واپس لے لیں اور مابعدت سے کبیدہ

۱۷۔ امام الحرمین کی تصدیق کرنے والے مکہ مکرمہ کے کسی ایک عالم کو بھی منہ دکھایا ہے نہیں اور یقیناً

۱۸۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ٹانڈوی صاحب کا مذکورہ بالا بیان من گھڑت، جھوٹ اور

بے بنیاد ہے

۱۲۔ قرآن کریم میں ایسے سفید جھوٹ بولنے والوں کے لیے لعنۃ اللہ علی الذین آیا ہے
یا نہیں ؟

۱۳۔ اس درجہ جھوٹ بولنے والا قرآن کریم کے نزدیک لعنتی اور مردود الشہادۃ ہوگا یا

شیخ الاسلام ؟

۱۴۔ ایسا شخص جس دارالعلوم کا صدر ہوگا اس مدرسے کا دیانت و صداقت کے کتنا واسطہ ہوگا ؟

۱۵۔ دریں حالات موصوف کی تصنیف اشباب الثاقب کسی نصف مزاج کی نظر میں

کس درجہ قابل اعتماد ہوگی ؟

واللہ کبھی اہل نظر سے تو یہ پوچھو

کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

دسواں نکتہ

دیوبندی حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی

نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید سے کام لیکر علمائے حرمین شریفین کو دھوکا دیا تھا۔

اگر دیوبندی مناظرین کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے تو ہر انسان

پسند اور صورت حال سے باخبر قاری یقیناً دیوبندی حضرات سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائیگا۔

۱۔ اگر اکابر دیوبند کی زیر بحث عبارتیں واقعی اسلامی ہیں اور انہیں غیر اسلامی بتانا صرف

امام احمد رضا خاں کی کارگزاری ہے تو تمام اکابر دیوبند کے پیر و مرشد اور گنگوہی صاحب کے

رحمۃ اللعالمین یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۹ء) نے

نے مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۱ء) کی کتاب الزار مناظرہ

کی تصدیق و تائید تو فرمائی لیکن اُس کے رد میں لکھی ہوئی اپنے گنگوہی و انبٹھوی مریدین کی مشرکہ

کاوش بنام براہین قاطعہ کی تائید کیوں نہ فرمائی ؟

۲۔ اگر علمائے دیوبند کی وہ عبارتیں قابل اعتراض نہیں ہیں تو انبٹھوی صاحب کے خلاف

مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۶ء) نے مناظرہ بہاول پور کی جو

دو مدار تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخیل کے نام سے شائع کروائی اور ۱۳۰۶ھ میں علمائے

حرمین نے اس پر تقاریظ لکھیں تو پاپیہ حرمین مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۸ھ) نے اپنی تقریظ کے اندر اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلق لکھا کہ وہ اُمتِ محمدیہ کے مخالف، نام نہاد، رشید اور بارگاہ رسالت کے گناخ ہیں۔ استاد اپنے شاگرد کے متعلق یہ فرما رہا ہے۔ کیا مولانا کیرانوی کو بھی دھوکا دیا گیا تھا؟

۳. حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے نامور خلیفہ مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے گنگوہی و ابٹھوی صاحبان کے خلاف تقدیس الوکیل کی تائید فرمائی۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔

۴. خود حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گنگوہی و ابٹھوی سریدوں کے رد میں لکھی ہوئی کتاب تقدیس الوکیل کی تائید و تصدیق فرمائی۔ کیا قبلہ حاجی صاحب کو دھوکا دے دیا گیا تھا؟

۵. علمائے حرمین تو ۱۳۰۳ھ میں انوارِ ساطعہ کی تائید کے باعث بجملاً اود ۱۳۰۶ھ میں تقدیس الوکیل کے سبب تفضیلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی خلیل احمد صاحب ابٹھوی کی برائیت کر توت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ دریں حالات ۱۳۲۳ھ میں جب امام احمد رضا خاں نے بھی براہین قاطعہ کی وہی قابل اعراض عبارتیں پیش کیں جو پہلے پیش ہو چکی تھیں اور علمائے حرمین نے بھی وہی جواب دیا جو قبل ازیں سولہ سال پہلے ۱۳۰۷ھ میں دے چکے تھے تو فاضل بریلوی نے علمائے حرمین کو کیا دھوکا دیا؟

۶. علمائے حرمین کو امام احمد رضا خاں بریلوی سے ناواقف سمجھنا بھی درست نہیں ہے۔ حضرات صورت سے تو واقعی نا آشنا تھے لیکن ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ھ میں ان حضرات نے فاضل بریلوی کے ندوۃ العلماء کے رد میں لکھے ہوئے رسالے فتاویٰ الحرمین برجب ندوۃ المین پر تقریظیں لکھی تھیں۔ اس وقت سے وہ حضرات فاضل بریلوی کی وسیع النظری کے قائل ہو کر آپ کی زیارت کے غائبانہ مشاق تھے۔ ۱۳۲۳ھ کے اندر چودھویں کا چاند اپنے چاہنے والے ستاروں کی جھرمٹ میں باچودھویں صدی کا مجدد آسمان علم و عرفان کے ماہ پاروں کے درمیان جلوہ افروز تھا۔ وہ حضرات صورت کے شناسا تو نہیں تھے لیکن فاضل بریلوی کی عقیدت اُن کے دلوں میں موجزن تھی۔ دریں حالات دھوکا دینے کی بات کہاں تک درست ہو سکتی ہے؟ حالانکہ اگر دھوکا دیا ہوتا

تو وہ حضرات کبھی فاضل بریلوی کا اس درجہ اعزاز و اکرام نہ کرتے اور انبٹھوی صاحب اینڈ کمپنی کے آگے کچھ تو گھاس ڈالتے، کیا ہر منصف مزاج اسی نتیجے پر نہیں پہنچے گا کہ دھوکہ دہی کا الزام عائد کرنے والے حضرات خود ہی گم کردہ منزل ہو کر معاندانہ روش کا شکار تھے، افسوس!

راہزن خضر رہ کی تباہچین کر

رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

گیارہواں نکتہ

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو ساری دلیوبندی جماعت حکیم الامت، محدو دین و ملت بلکہ جامع المجددین تک کہتی ہے۔ یہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ مجدد اپنے دور میں دین برحق کا عدیم المثال علمبردار اور حق و صداقت کا ایسا بیجا ترجمان ہوتا ہے کہ وہ علمی میدان میں ہر رہزن دین و ایمان اور جملہ گمراہ گروں کو ساکت و صامت کر چھوڑتا ہے۔ سرمایت کی نگہبانی میں وہ اپنے کام اور اپنی بے پناہ علمیت کے باعث ممتاز نظر آتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو گزشتہ ہر مجدد کی یہی شان نظر آئے گی۔ اگر تھانوی صاحب کو بھی مجدد فرض کر لیا جائے تو فوراً ذہن میں یہ سوالات آئے بھرتے ہیں۔

۱۔ اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو سرمایت کی نگہبانی کرتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے برضا و رغبت رہزنی کو پسند فرمایا اور کفر و ارتداد کے سمندر میں غوطہ جا لگایا کیا مجدد یہ کام کرتا ہے؟

۲۔ اگر وہ مجدد ہوتے تو امام احمد رضا خاں بریلوی کے دلائل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے اور علمی میدان میں انہیں ساقط و صامت کر چھوڑتے۔ لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ تھانوی صاحب کو ساری عمر میں ایک دفعہ بھی فاضل بریلوی کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی اور ساری عمر میں امام احمد رضا خاں کی کسی ایک دلیل کو فسطیاً دعویٰ سے بیگانہ ثابت کر کے کیا مجدد علی لحاظ سے اتنا کمزور اور اپنے معاصرین سے پست ہوتا ہے؟

۳۔ دیکھا تو یہی گیا ہے کہ فاضل بریلوی تو سبے ایک طرف۔ تھانوی صاحب کو کسی بھی سنی عالم کے بالمقابل جو کہ اپنی پوزیشن صاف کرنے کی تادم آخر جرأت نہیں ہوئی کیا مجدد کا یہی

مقام ہوتا ہے ؟

۴. تھانوی صاحب پر کفر و ارتداد کا الزام تھا اور وہ عمر بھر اس الزام کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ کیا ملت اسلامیہ کی پوری تاریخ میں ایسا ایک بھی مجدد نظر آتا ہے جس پر ایسا سنگین الزام عائد کیا گیا۔ اور وہ اُسے غلط اور بے بنیاد ثابت نہ کر سکا ہو، اگر تھانوی صاحب کے کسی معتقد کے علم میں کوئی ایسا مجدد ہے تو اس کی نشاندہی ضرور فرمائی جائے کیونکہ اس سے یقیناً ہمارے معلومات میں اضافہ ہوگا۔

۵. اگر تھانوی صاحب اپنے ملک میں شرماتے تھے تو علمائے حرمین شریفین کے پاس ہی چلے جاتے اور ان سے کہتے کہ آپ نے جو میرے کفر و ارتداد کے فتوے کی تصدیق و تائید کی ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ ان دلائل و وجوہات کے باعث وہ فتویٰ اور تصدیق و تائید سب غلط ہے۔ لیکن اس کے برعکس تھانوی صاحب نے تصدیق کرنے والے ایک بھی کوئی مدنی عالم کو منہ نہیں دکھایا۔ کیا شان تجدید یہی ہوتی ہے ؟

۶. اگر تھانوی صاحب یا دیگر اکابر دیوبند کی کفریہ عبارتوں میں ذرا بھی کوئی اسلامی پہلو ہوتا تو یقیناً وہ فاضل بریلوی یا کسی سنی عالم یا کسی سنی مدنی عالم کے روبرو ہو کر کہتے کہ مانا ہماری عبارتوں میں کفریہ معانی بھی پائے جاتے ہیں لیکن فلاں اسلامی معانی بھی موجود ہیں، لہذا ہماری ہر عبارت کو اسی اسلامی پہلو پر محمول کیا جائے کیونکہ آئمہ دین نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قول میں ننانوے پہلو کفر کے اور ایک اسلامی ہو تو اُسے اسلامی پہلو پر ہی محمول کرنا چاہیے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ قائل نے کفریہ پہلو ہی مراد لیا ہے۔ چونکہ ہماری مراد وہی اسلامی پہلو ہے لہذا قائل کی مراد کے خلاف ہماری تکفیر غلط ہے اگر ان عبارتوں میں کسی اسلامی پہلو کی رمت بھی ہوتی تو تھانوی صاحب کبھی بھیگی بلی بن کر تھکانہ بھون میں نہ پڑے رہتے۔ کیا جو زندگی بھر اپنا اور اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکے وہ مجدد ہوتا ہے ؟

۷. اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو انگریزوں سے چھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ کیوں پاتے ؟ وظیفے کا حوالہ اگلی بحث میں آ رہا ہے۔ حقیقت یہی سامنے آتی ہے کہ اسی سات ہزار روپیہ سالانہ کی بدولت تھانوی صاحب اپنے دار الخلافہ تھکانہ بھون میں پڑے کفر بیز کی

کفر ریزی اور کفر خیزی کا کاروبار کرتے اور سیاں بھئے کو تو اب ڈر کا ہے کا والا نغمہ لپتے رہے گویا :-

نگاہ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا تھا کوئی بے وفا ہو کر

بارھواں نکتہ

مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے - ام الحرمین

کو بے اثر بنانے کی غرض سے الشہاب الثاقب نامی کتاب لکھی۔ اگر علمی اختلاف ہوتا اور علمائے دیوبند کے لیے اپنے اکابر کی حمایت میں کچھ کہنے کی گنجائش ہوتی تو ہر صاحب علم اپنے موقف کو علمی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس معقول راستے کو چھوڑ کر کسی نامعقول راستے پر جانے کو ہرگز اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتا۔ اس کے باوجود ٹانڈوی صاحب حالانکہ اتنے بڑے مدرسے کی اتنی بڑی شخصیت تھے لیکن اپنے اکابر کی طرح وہ بھی معقول راستے کی طرف نہ گئے بلکہ نامعقول راستے ہی اختیار کیا جس کے باعث انہوں نے اس کتاب کے اندر گالیوں کی وہ دھواں دار بباری کی کہ بین الاقوامی چیمپئن شپ جیت لی اور چھوٹے الزامات و بہتانات کے ذریعہ سابقہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے اور دیکھا کہ ان سے بھی کام نہ چلے اس لیے گھڑنت کا کرتب بھی دکھایا مثلاً :-

۱۔ انہوں نے الشہاب الثاقب کے اندر اپنے ذہن سے دو ایسی کتابیں گھڑیں جن کا دنیا

کے پرے پر کمیں وجود نہیں اور خود ٹانڈوی صاحب نے انہیں خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

۲۔ دیانت و صداقت کا اس سے بڑھ کر ثبوت دیتے ہوئے موصوف نے ان کتابوں

کے مطابح، صفحات اور عبارتیں تک اپنے ذہن سے گھڑ لیں تاکہ حق کے علمبردار ہونے میں

کوئی شبہ نہ رہے۔

۳۔ گاندھویت کی ترنگ میں یہاں تک ترقی کی کہ ان گھڑی ہوئی کتابوں سے فاضل بریلوی

پر حجت قائم کی کہ مولوی احمد رضا صاحب تم یہ کہتے ہو حالانکہ تمہارے فلاں فلاں اکابر نے اپنی

فلاں فلاں تصانیف میں ایسا لکھا ہے۔ اب بتاؤ تم سچے ہو یا تمہارے وہ اکابر سچے تھے یا

معلوم نہیں دیانت و صداقت اور جیسا کہ یہ کونسا درجہ تھا جس پر ٹانڈوی صاحب فائز ہو گئے تھے۔
موصوف نے اپنی پہلی گھڑنت کا ذکر یوں فرمایا تھا:۔

جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم خزینۃ الاولیاء مطبوعہ کان پور صفحہ ۱۵ میں
ارتقا فرماتے ہیں کہ علم غیب صفت خاص ہے رب العزت کی جو عالم الغیب والشہادۃ ہے
جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین ہے، اس واسطے کہ
آپ کو بذریعہ وحی امور مخفیہ کا علم ہوتا تھا جسے علم غیب کہنا گمراہی ہے ورنہ جمیع مخلوقات لغو
بالتہ عالم الغیب ہے۔ ۱

موصوف نے اپنی دوسری گھڑنت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا تھا:۔

مولوی رضا علی خاں صاحب ہدایۃ الاسلام مطبوعہ صبح صادق سیتا پور صفحہ ۳۰ میں فرماتے
ہیں:۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب بالواسطہ تھا اور یہ علی قدر مراتب سب کو
حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بالذات کا اعتقاد رکھنا مغنی الی الکفر ہے اور نص قطعی کے خلاف
اس میں تاویل اور ہیر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔ ۲

اجمل العلماء، مفتی سنبھل، مولانا محمد اجمل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۳ء) نے
رد شہاب ثاقب کے اندر دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر کی اس جملہ بندی پر ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۲ء
میں گرفت فرمائی اور علمائے دیوبند سے مطالبہ کیا کہ اگر سچے ہو تو یہ دونوں کتابیں دکھاؤ یا ان
کے وجود کا ثبوت فراہم کرو، آج کے دن تک کسی دیوبندی عالم سے نہیں ہو سکا کہ وہ کتابیں
دکھا کر یا ان کا وجود ثابت کر کے اپنے صدر دیوبند کو سرخ رو کرے اور اس کلنگ کے
ٹیکے کو ہٹا سکے جو ٹانڈوی صاحب نے اپنی گاندھوی پیشانی پر برضا و رغبت لگایا تھا۔ اسی
بے بسی کے عالم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے برادر زادہ یعنی مولوی عامر عثمانی دیوبندی (المتوفی ۱۳۹۵ھ
۱۹۷۵ء) کی یہ تک بندی بھی دیدنی ہے۔ ۱

کتاب (رد شہاب ثاقب) کے لب لہجہ سے وحشت زدہ ہونے کے باوجود اتنا ہم

۱۔ الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۹۹

۲۔ ایضاً، ص ۹۹

انصافاً ضرور کہیں گے کہ مصنف نے مولانا مدنی (ٹانڈوی صاحب) پر ایک الزام بڑا
 بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں خزینۃ الاولیاء اور
 ہدایۃ الاسلام سے شہابِ ثاقب میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت
 من گھڑت ہیں۔ جن مصنفوں کی طرف انہیں منصوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی
 ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں..... تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندی
 پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقولی جواب یا تو مولانا مدنی کے بلند اقبال صاحبزادے
 مولوی سعد طول عمرہ کے ذمہ ہے یا پھر ان مریدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور
 پر مولانا کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں! ۱۵

اس سے پیشتر حسام المحرمین اور الدولۃ المکیۃ کے منظر عام پر آنے سے بولکھلا کر علمائے دیوبند
 نے بل جمل کر سیف النقی نامی کتاب تیار کی۔ دیوبندی فوج کے ہر جنرل نے پوری وفاداری سے اس
 کی تیاری میں حصہ لیا اور اسے تیار کر کے مدرسہ دیوبند سے شائع کیا۔ علمائے دیوبند نے دیانت و
 صداقت کے تمام درجے طے کرتے ہوئے پوری حیاداری کے ساتھ اس کے اندر سأت کتابیں اسی
 طرح اپنے مقدس اور سراسر پاکیزہ دماغوں سے گھڑیں اور اپنے نوزانی ذہنوں سے انہیں فاضل بریلوی کے
 اکابر کی جانب منسوب کیا اور پورے روحانی تقدس کے ساتھ ان کتابوں کے مطالعے، صفحے اور عبارتیں تک
 اپنے معکوتی دماغوں سے ایجاد کیں۔ پھر ان جعلی اور سراسر من گھڑت کتابوں کی من گھڑت عبارتوں
 سے امام احمد رضا خان بریلوی کے خلاف محبت قائم کرنے لگے کہ دیکھو تمہارے بڑے تولیوں
 فرماتے تھے، حالانکہ یہ ساری کارگزاری لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ کی منہ بولتی تصویر تھی۔

اُسی میں دیوبندی فوج کے سارے جنرلوں نے فاضل بریلوی کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں
 رحمۃ اللہ علیہ کی ٹہر اپنے جنتی دماغوں سے گھڑی اور اس پر مہر بنوانے کا سال ۱۳۰۱ھ لکھ دیا۔
 جب کہ مولانا نقی علی خاں کا وصال ۱۳۰۶ھ میں ہو گیا تھا۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنے بڑے بڑے
 دیوبندی عالموں نے یہ مشترکہ طور پر جھوٹ بولا یا دروغ گوئی سے کام لیا ہے بلکہ ان حضرات
 کے ظاہری تقدس نیز جنوں اور عماموں کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ مولانا نقی علی خاں

۱۵ ماہنامہ تجلی، بابت فردی دہریہ ۱۹۵۹ء

نے اپنے وصال سے چار سال بعد ہی مہر بنوائی ہوگی۔ لیکن ایسا مان کر علمائے دیوبند کو جلسا زمی سے بچاتے ہوئے ہم خود پھنس جائیں گے کہ اگر مولانا علی نقی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے چار سال بعد ہی مہر بنوائی تو اپنی زندگی میں لکھی ہوئی مہری دستخطی فرضی کتابیں اور ان کی فرضی عبارتیں علمائے دیوبند کو کیے دے گئے تھے؟ بہر حال یہ وہ راز ہے جس کی گتھی کو علمائے دیوبند کی دیانت و صداقت ہی کھول سکتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سپوتوں، تقدس کے مجسموں کی ایسی ہی کارگزاریوں کے پیش نظر مجدد مائتہ حاضرہ کے اجاب سے سید عبدالرحمن بیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں بریلی شریف سے یہ اعلانِ عام کرنا پڑا۔

ارے دم ہے کسی تھانوی، در بھنگی، سر بھنگی، سر بھنگی، انبھٹی، دیوبندی، نانوتوی، گنگوہی، امرتسری، دہلوی، جنگلی، دکوہی میں کہ ان من گھڑت کتابوں، ان کے صفحات، ان کی عبارتوں کا ثبوت دے اور نہ دے سکے تو کسی علی بخت یا انسانی بات میں کسی معادل کے لگنے کے قابل اپنا منہ بنا سکے۔

اگر دیوبندی حضرات کا تقویٰ و طہارت، انصاف و دیانت اور صداقت و حقانیت سے دور کا واسطہ بھی ہوتا تو وہ ایسی شرمناک اور انتہائی گری ہوئی شعبہ بازی اور افترا پردازی کے کبھی نزدیک بھی نہ چھٹکتے۔ حقانیت کے علمبرداروں کو خیانت اور جلسا زمی کا سہارا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ صداقت کے اندر یہ پوری طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنی صداقت کو خود منوا لیتی ہے۔ دریں حالات علمائے دیوبند کے ان شرمناک مظاہروں اور کرتہوں کو دیکھ کر ہر منصف مزاج یہی تو کہے گا۔

۵
رہ منزل میں سب گم ہیں مگر افسوس تو یہ ہے
امیر کارواں بھی ہیں، بھیس گم کردہ راہوں میں

تیرھواں نکتہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) اکثر اکابر دیوبند کے پیر و مرشد تھے جبکہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تو انہیں رحمۃ اللعالمین کہتے تھے۔ حاجی صاحب کے تمام مریدین و متوسلین میں مولانا عبدالحق الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ علیہ لیاظ
عہ۔ ریحان القہار علی کفر الکفار، دیباچہ خالص الاعتقاد، ص ۱۷

سے سب میں فائق اور قبلہ حاجی صاحب کے معتمد خاص تھے کیونکہ وہ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اور مکرمہ کے اندر ان کے علمی فیضان کے دریا بہہ رہے تھے۔ یہ بات تو معمولی سوجھ بوجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ فاضل بریلوی یا کوئی دوسرا شخص علمائے دیوبند کے بارے میں مولانا ابراہی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا تھا کیونکہ نہ وہ علمائے دیوبند سے نا آشنا تھے اور نہ فاضل بریلوی یا متحدہ ہندوستان کے کسی دوسرے سنی عالم سے ناواقف تھے۔ موصوف نے سب کچھ دیکھ بھال کر امام احمد رضا خاں بریلوی کی توصیف اور علمائے حرمین کی ہم نوائی کی تھی۔ بغیر دیکھے بھالے وہ اپنے پیر بھائیوں کے خلاف ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حسام الحرمین کے اندر ان کی تقریظ پانچویں نمبر پر ہے۔

فاضل بریلوی کی تائید کرنیوالے علمائے مکرمہ میں حضرت حاجی صاحب کے دوسرے خلیفہ مولانا شیخ احمد علی امدادی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ موصوف نے بھی اپنے پیر بھائی اکابر دیوبند کے کفر و ارتداد کا حکم شرع بیان کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی اور امام احمد رضا خاں بریلوی کی تائید میں دھوم دھام سے تقریظ لکھی۔ موصوف کی تقریظ کے چند جملوں کا ترجمہ قارئین کرام ملاحظہ تو فرمائیں۔

حمد و صلوات کے بعد کہتا ہے بندہ ضعیف اپنے رب لطیف کے لطف کا امیدوار احمد کی پشتی صابری امدادی کہ میں اس رسالہ پر مطلع ہوا جو چاروں بیانون پر مشتمل ہے، قطعی دلیلوں سے مؤید اور ایسی محبتوں سے جو قرآن و حدیث سے ثابت کی گئی ہیں۔ گویا وہ بے دینوں کے دل میں بھلے ہیں۔ میں نے اُسے تیسز تواریا پایا کافر، ناجر، دہابیوں کی گردن پر۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے مولف کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمارا اور اس کا شہر زہیر نشان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ دریائے زخار ہے۔ صیح دلیلیں لایا جن میں کوئی علت نہیں اور سزاوار ہے کہ اس کے حق میں کہا جائے کہ وہ حق و دین کی مدد کرنے اور بے دینوں سرکشوں کی گردنیں قلع قمع کرنے پر قائم ہے۔ سن لو وہ پرہیزگار فاضل ستھرا، کامل، پچھلوں کا معتمد اور انھوں کا قدم بقدم، فخر اکابر، مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے امثال کثیر کرے اور مسلمانوں کو اس کی درازی

عمر سے نفع بخشے (آمین) کچھ شک نہیں کہ یہ طلغے صراحۃً دلیلوں کو جھٹلا رہے ہیں تو ان پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ تو سلطانِ اسلام پر... واجب ہے کہ ایسوں کی آلودگی سے زمین کو پاک کرے اور ان کے اقوال و افعال کی قباحتوں سے لوگوں کو بچائے: لہ

امدادی بارگاہ کے اس فیصلے کو دیکھ کر یہ شعر بے ساختہ نوکِ قلم پر آگیا۔

ہو ابے ندی کا فیصلہ اچھا برے حق میں
زلیخانے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعان کا

مولانا عبدالحق امدادی الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے نامور شاگرد یعنی مولانا سید اسمعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) کے ہاشمی تیر اور امدادی جوہر ان کی تقریظ کے ہر لفظ سے حیاں ہیں اور موصوف کی تقریظ میں ایمانی فراست کے مظاہرے کو دیکھ کر ہر منصف مزاج پھر شک اٹھے گا اور بیاختہ داد دینی پڑے گی کہ متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے کتنے ہی اہل علم حقیقت کی تہہ کو نہ پاسکے لیکن اتنی دور رہتے ہوئے موصوف نے الفاظ کے آئینے میں جھانک کر حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے: **رَأَوْا فِرَاسَةَ الْمَوْجِبِ فَإِنَّهُ** **يَنْظُرُ فِي آيَاتِ اللَّهِ حَسَمَ الْحَرَمِينَ** کے اندر موصوف کی تقریظ چھٹے نمبر پر ہے۔ ان کی تقریظ کے چند جملوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

حمد و صلوة کے بعد کہتا ہوں کہ یہ طلغے بن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے، غلام احمد قادیانی اور رشید احمد جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبٹھوی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں شبہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے تو اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں کہ ان میں کوئی دین متین کو پھینکنے والا ہے اور ان میں کوئی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا ہے جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ تو اسلام میں ان کا نام و نشان کچھ باقی نہ رہا جیسا کہ کسی جاہل سے جاہل پر بھی پوشیدہ نہیں۔

۱۔ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۶۹ تا ۱۷۱، ۲۔ حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۱

موصوف کی ایمانی فراست کا کرشمہ اُن کے ان لفظوں کے آئینے میں دیکھئے۔

مجھے ایسا علم یقین حاصل ہوا جس میں اصلاً شک نہیں کہ یہ کافروں کے یہاں کے

منادی (ایجنٹ) ہیں۔ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ لے

مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا واقعی یہ حضرات کسی کی آواز ہو کر رہ گئے تھے۔ چند سکون اور چند روزہ زندگی کے راحت و آرام کی خاطر ایمان جیسی متاع عزیز کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کیا لیکن اُن حضرات کے جُبتوں اور عاموں کے باعث مولوی اور پیر کہلانے کے سبب کتنے ہی مسلمان آج تک دھوکا کھا ہے ہیں اور ان کے پیچھے لگ کر، اُن کی محبت کا شکار ہو کر مفت میں اپنے ایمان کی دولت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ علامہ سید اسماعیل مکی نے اُن ہندی نصوص دین کے چہروں پر پڑی پہلا نقدس کی نقاب کو ہٹا کر اسی تقریظ میں یوں حقیقت کا اظہار بھی فرمایا :-

حاصل یہ کہ زمین ہند میں سب طرح کے فرقے پائے جاتے ہیں اور یہ

باعتبار ظاہر ہے ورنہ وہ حقیقت میں کافروں کے رازدار (ایجنٹ) ہیں اور دین کے دشمن ہیں اور ان باتوں سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھوٹ ڈالیں۔

واقعی یہ انگریزوں کا برطانوی منصوبہ تھا کہ مسلمانوں میں بھوٹ ڈال کر ان کی اجتماعی

قوت کو ختم کر دیا جائے اور دوسری جانب اُن کے کانوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے

ایسی باتیں ڈالی جائیں جن کے باعث ان کا ایمان اپنی سرت مر جائے اور جس ایمانی قوت

کے سامنے کفر ٹھہر نہیں سکتا، انگریزوں کے مقابلے پر وہ قوت ہی نہ رہے۔ برٹش گورنمنٹ

کے اس منصوبے کو کامیابی سے بکنا کرنے کی خاطر جن حضرات نے اپنے دین و ایمان تک

کا سودا کر دیا تھا اور اسلامیان ہند کو ایمان سے محروم کرنے کا بیڑہ اٹھایا ان

گندم ناجو فردش قسم کی بستیوں میں یہ پانچوں حضرات سب سے نمبر لے گئے۔ ہندی

مسلمانوں کے ایمان و اتحاد کے خرمین میں ان پانچوں حضرات نے جو آگ لگائی وہ آج تک

بچنے میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور شدت سے بھڑکتی جا رہی ہے۔ افسوس!

دل کے پھپھو کے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہی ملتِ اسلامیہ کے بطلِ جلیل، علامہ سید اسماعیل بن سید خلیل مکی آفندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو
۱۳۱۴ھ میں فاضل بریلوی کے رسالہ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین پر تقریظ لکھنے کے
وقت سے امام احمد رضا خاں بریلوی کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچا اور کرتے اور یادوں کے
چراغ جلائے رکھتے تھے۔ جب سات سال انتظار کرنے کے بعد ۱۳۲۳ھ میں اسی چودھویں
صدی کے آفتاب علم و عرفان کو اپنی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر پایا تو پروانہ وار نثار ہونے
لگے۔ فاضل بریلوی کی تائید میں تقریظ لکھتے ہوئے مبدد برحق کے بارے میں حق و صداقت
کے اس پرستار کا قلم صفحہ قرطاس پر یوں عقیدت و حقیقت کے موتی بکھیرتا چلا گیا۔

میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو
فاضل کامل ہے، منقبتوں اور فخروں والا، اس مثل کا منظر کہ اگلے کھیلوں کیلئے
بہت کچھ چھوڑ گئے، یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، حضرت احمد رضا خاں،
اللہ بڑے احسان والا پروردگار اُسے سلامت رکھے، اُن کی بے ثبات حجتوں
کو آبتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لیے اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علمائے
مکہ اس کے لیے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام
پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس
کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق و صحیح ہے۔

مولانا عبدالحق الآبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگرد مولانا کریم اللہ مہاجر
مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فاضل بریلوی کی مراجعت کے بعد بھی الدولۃ المکیہ کی تقاریر کے لیے
سب سے بڑھ کر کوشش کی اور عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت، محقق یگانہ، عشق رسول کی شمع
فروزان، علامہ یوسف بن اسماعیل نہائی رحمۃ اللہ علیہ کو الدولۃ المکیہ بھیج کر اور با اصرار نامہ پیام
کر کے تقریظ حاصل کی۔ موصوف ہندوستانی عالم اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے

۱۳۲۳ھ حرم الحرمین، مطبوعہ لاہور، ص: ۱۳۲

در علمی و روحانی فرزند تھے۔ موصوف نے اپنی تقریظ کے اندر امدادی کمیپ سے بغاوت کرنیوالے اکابر دیوبند کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :

حمد و نعت کے بعد میں نے واقفیت حاصل کی الدولة المکیة کی جو امام، بزرگ، محقق، نکتہ رس، سیدی و ملاذی اس زمانے کے مجدد، عبد المصطفیٰ، ان پر روح و دل فدا ہوں یعنی مولانا احمد رضا خاں، الشدخان منان انہیں سلامت رکھے، کی تالیف ہے۔ تو کچھ جھوٹے وہابی، دروغ بان گنگوہی کے متبعین وغیرہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ سردار (فاضل بریلوی) الشدان کا ذکر بند کرے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خالق ارض و سماء (جل جلالہ) اور باعث تخلیق کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علم سادی ہے، یہ صریح جھوٹ، بالکل افتراء اور بدترین بہتان ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں کا ٹھکانا بڑا ہے۔ انہیں ملعون اتہامات کو دفع کرنے کے لیے حرمین شریفین کے ہمارے سرداروں اور علماء کی تعاریف لکھی گئیں۔

جہاں متحدہ ہندوستان میں امدادی کمیپ سے بغاوت کرنے اور تخریب دین افتراق بین المسلمین کو اپنا نصب العین و مشغلہ بنانے والے اکابر دیوبند کا اندرون ملک قبلہ حاجی صاحب کے متوسلین نے ناطقہ بند کیا ہوا تھا وہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے امدادی علماء نے حکومت کے ایماہ و اشارے پر مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قمیص لگانے والے اکابر کی اسلام دشمنی کا شرعی حکم بیان کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کی اور اپنی شرعی ذمہ داری کو نبھانے میں صحیح علمائے حرمین سے ذرا بھی پچھے نہیں رہے۔ ان حقائق کو دیکھ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ سے اکابر دیوبند راندہ درگاہ ہو چکے تھے اور ان مہربانوں کا حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ سے اکابر دیوبند راندہ درگاہ ہو چکے تھے اور ان مہربانوں کا حضرت حاجی صاحب سے کوئی دینی ایمانی رشتہ اتنی رہ نہیں گیا تھا۔ حاجی صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں اسے یہی سمجھا ہو گا کہ ان کے متوسلین میں

علمی اختلاف واقع ہو گیا ہے جس کا منہی علمائے دیوبند کی غلط فہمی اور بعض مسائل کی حقیقت کو سمجھ نہ پانے کے باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے متوسلین کے درمیان سے اختلاف کی خلیج کو بٹانے کی خاطر فیصلہ ہفت مسئلہ نامی کتاب لکھی اور اختلافی امور کے بارے میں اپنا عقیدہ و عمل واضح فرما دیا، تاکہ جو انہیں اپنا روحانی پیشوار اور پیر و مرشد مانتے ہوں وہ اس کے مطابق اپنا عقیدہ و عمل رکھیں گے اور جو اپنے پیر و مرشد کے عقیدے اور عمل کے خلاف جائیں گے ان کی بغاوت سب پر خود واضح ہو جائے گی۔

حاجی انداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کا رفق اختلاف کی خاطر یہ کتابچہ مکہ مکرمہ سے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس آیا اور قبلہ حاجی صاحب نے ان کے لیے حکم بھیجا کہ اسے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس بھیج دیا جائے۔ جب اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو سرکار گنگوہیت تاب نے اپنے پیر و مرشد کے مسئلہ تمام کتابچوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ گنگوہی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کی جلد کا پیاں جلا دینے کا حکم اپنے شاگرد خواجہ حسن نظامی کو دیا تھا۔ یہ واقعہ خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی کی زبانی سنئے اور غیر جانب دار ہو کر معاملے کی تہ تک پہنچے۔

نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدہی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد کے ہاں زیر تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب خاموشی سے دیا لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انہیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں انہوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا ضروری تھا اس لئے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس محفوظ ہیں حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا

رہے تھے، فوراً دو آم اٹھا کر مجھے انعام دے۔^۱
 میرا خیال ہے کہ قارئین کرام کو اب یہ سمجھنے میں فضا بھی الجھن نہیں رہی ہوگی کہ دیوبند ہیڑے
 کے ناخدا لیٹھی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ان دنوں مقدس اسلام سے بغاوت کر کے برٹش گورنمنٹ
 کے امام ربانی اور قطب الاقطاب بن گئے تھے۔ اب وہ حکومت وقت کے ہاتھوں میں چوں قلم
 در دست کاتب تھے۔ اب تخریب دین و افتراق بین المسلمین سے باز آکر اصل اسلام کی جانب لوٹنا
 ان کے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی کیونکہ چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کی خاطر انہوں نے
 دیرین کی اپنی ساری متاع فروخت کر دی تھی۔ دریں حالات وہ اپنے پیرو مشد کی کوئی اسلامی و
 ایمانی بات ماننے سے مجبور بنے بیٹھے تھے لہذا ان حالات میں قبلہ حاجی صاحب کے فیصلے کا ان
 کی بارگاہ میں وہی حشر ہونا تھا جو گنگوہی صاحب نے کر کے دکھا دیا۔
 دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا مویج خرام یار بھی کیا گل کتر کئی

پودھواں نکتہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمۃ المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء (متحدہ ہندوستان
 کے ایک مایہ ناز اور بلند پایہ عالم ہو گئے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور کئی دیگر دیوبندی
 علمائے اُن سے علمی استفادہ کیا تھا۔ موصوف کے بارے میں مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی
 نے اپنی خلاف دین و دیانت تصنیف براہین قاطعہ میں لکھا ہے :-
 خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر
 مخفی نہیں ہے۔^۲

اس عبارت میں انبٹھوی صاحب نے رحمت اللہ کیرانوی کو ہمارے شیخ الہند کہا ہے۔
 مولانا کیرانوی ۱۸۵۷ء کے بعد مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے تھے کیونکہ اُس جنگ آزادی میں حصہ لینے کی
 پاداش میں اُن کی ساری املاک ضبط ہو گئی تھی۔ وہاں انہوں نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ حکومت
 وقت کی جانب سے پائے حرمین کا لقب اور قاضی القضاة کا عہدہ ملا۔ انبٹھوی صاحب نے اپنی

اپنے صفحہ کا ماثر ۱۱۔ ماہنامہ منادی ادبی، جلد ۲۹، شمارہ ۱۲۔ ۲۲

۱۱۔ براہین قاطعہ، مطبوعہ نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند، ص ۲۳

اسی کتاب میں مولانا کیرانوی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

اس آخر وقت میں اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق اور بہ اقرار علمائے مکہ علم ہیں۔

انبٹھوی صاحب نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو ۱۳۰۲ھ میں مذکورہ لفظوں کے ساتھ یاد کیا اور کیوں نہ ہو جبکہ موصوف سے کتنے ہی دیوبندی علمائے علمی استفادہ کیا تھا۔ دریں حالات مولانا کیرانوی کو دیوبندی بریلوی خانہ ساز اختلاف میں ملوث نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی رائے اور فیصلے کو بے لاگ ماننا ہوگا کیونکہ وہ حق و صداقت پر ہی مبنی ہوگا۔ ان کا تعلق صرف حقانیت و صداقت سے تھا کسی فریق کی حمایت یا مخالفت سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا کیرانوی نے گنگوہی اور انبٹھوی صاحبان کے خلاف مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۶ء) کی تصنیف لطیف تقدس الوکیل پر تقریظ لکھی۔ معزز قارئین چلے ان کی تقریظ کے چند ابتدائی جملے ملاحظہ فرمائیں۔

بعضہ حمد اور نعت کے کہتا ہے حاجی رحمۃ ربہ المنان رحمت اللہ بن خلیل الرحمن غفرلہ الختان کہ مدت سے بعض باتیں جناب مولوی رشید احمد صاحب کی سنتا تھا جو میرے نزدیک اچھی نہ تھیں اعتبار نہ کرتا تھا کہ انہوں نے ایسا کہا ہوگا اور مولوی عبد السمیع صاحب جو ان کو میرے سے رابطہ شاگردی کا ہے، جب تک کہ مظلوم میں نہیں آئے تھے تحریراً منع کرتا تھا اور مکہ معظمہ میں آنے کے بعد تقریراً بہت تاکید سے منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف نہ ہوں اور علمائے دیوبند کو اپنا برا سمجھو۔ رُوہ مسکین کہاں تک صبر کرتا اور میرا اعتبار نہ کرنا کس طرح ممتد رہتا کہ حضرات علمائے مدرسہ دیوبند کی تحریر اور تقریر بطریق تو اتر مجھ تک پہنچی ہے، تمام افسوس سے کچھ کہنا پڑا اور چپ رہنا خلاف دیانت سمجھا گیا۔ سو کہتا ہوں کہ میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ جس طرف آئے اُس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے روٹنا

لے براہین قاطعہ مطبوعہ دیوبند، ص ۲۶۷

کھڑا ہوتا ہے۔ لے

وہی مولانا کیرالوی جو اپنے علمی فرزندوں سے فرماتے تھے کہ آپس میں اختلاف نہ کرو اور علمائے دیوبند کو اپنے بڑے بھائی سمجھو، جب ان کے سامنے علمائے دیوبند کی تحریریں اور تقریریں متعدد ذرائع سے پہنچیں اور واضح ہوا کہ علمائے دیوبند نے تو اب اہل اسلام کے خلاف محاذ بنا کر علمائے اسلام سے جنگ شروع کر رکھی ہے تو دیوبندی بیڑے کے ناخدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے بارے میں ان کی تحریروں کے پیش نظر تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھتے ہوئے اظہار حق کے شرعی فریضہ سے یوں سبکدوش ہوتے ہیں۔

پھر حضرت رشید نے جو نو اے (امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کہنیا کا جنم اشٹی ٹھہرایا اور اس کے بیان کو حرام بتلایا اور کھڑے ہونے کو گو گوئی کیسے ہی ذوق و شوق میں ہو بہت بڑا منکر (برا کام) فرمایا۔ اس ٹھہرانے بتلانے سے لکھو ہا علمائے صالحین اور مشائخ مقبول رب العالمین ان کے نزدیک بڑے نفرتی ٹھہر گئے۔ پھر ذات نبوی میں اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اور مکان ذاتی کا اعتبار چھوڑنا تم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے اور مکان ذاتی کے باعتبار تو کچھ حد ہی نہ رہی اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ رہا اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا علم شیطان لعین کے علم سے کہیں کمتر ہے اور اس عقیدے کے خلاف کوشش کر ٹھہرایا۔

پھر ذات اقدس نبوی ہی پر اکتفا نہ کیا، ذات اقدس الہی کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کیا کہ اللہ کا جھوٹ بولنا منع بالذات نہیں بلکہ امکان جھوٹ بولنے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی صفت کمال کی فرمائی غور و تأمل من انہ الخرافات۔ میں تو ان امور مذکورہ بالا کو بہت برا سمجھتا ہوں اور اپنے محبتین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید اور ان کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشادات

لے تقدیس الوکیل، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱۵

نہیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھ پر بہت کچھ کھلم کھلا تبرا ہو گا لیکن جمہور علمائے صالحین اور اولیائے کاملین اور رسول رب العالمین اور جناب باری جہاں آفریں ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے تو مجھے کیا شکایت ہوگی؟ اے

بھلانے پر بھی قصہ ہر ماضی
بھلایا نہ جائے گا ہم سے نہ تم سے

احقر نے قارئین کرام کی سہولت کے لیے یہ چودہ نکات پیش کر دیئے ہیں جن کے باعث حقیقت کے چہرے پر ڈالے ہوئے کتنے ہی تدبیرتہ پرے ہٹ گئے اور ہر منصف مزاج کو حقیقت اپنے اصلی رنگ و روپ میں چودھویں رات کے چاند کی طرح بے حجاب نظر آنے لگے گی۔ اگر احقر کی یہ چند معروفات ہی سامنے رکھی جائیں تو مولوی خلیل احمد صاحب ایشوری کی المہند، مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کی الشہاب الثاقب، تمام علمائے دیوبند کی مشترکہ کاوشوں سے گھڑی ہوئی سیف النقی اور غایۃ المامول و دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ احسن درہنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء) کی توضیح البیان وغیرہ، دیوبندی حضرات کے مناظرِ اعظم مولوی محمد منظور نعمانی، ایں جہانی کا فیصلہ کن مناظرہ اور فتح بریلی کا دکش منظر، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی بسط البنان، مولوی ثناء اللہ ام تسری غیر مقلد (المتوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) کے گالیوں سے لبریز مضامین اور مولوی محمد سرفراز صاحب گھڑوی کی عبارات اکابر و باب جنت وغیرہ تصانیف سے ان مصنفین کی اسلام دشمنی، انصاف کشی، مغرہ، ہٹ دھرمی اور دھاندلی صاف نظر آنے لگے گی۔ اللہ جل شانہ، ابنائے زمانہ کو سچی ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

اکابر دیوبند نے اللہ اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان پر حملہ کیا۔ ان مقدس بارگاہوں کے متعلق نازیبا اور گندے الفاظ لکھے اور گندے عقیدے شائع کیے تو یہ امر دیوبندی حضرات کے نزدیک نہ تو قابل اعتراض ہے اور نہ اس کے خلاف وہ کسی کو ایک لفظ بھی کہنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ بلکہ ان مغلطات کو اسلام کی روح ماننے اور تقویۃ الایمان، سراج الایمان مصباح الایمان نیز حفظ الایمان منوانے پر پھر رہتے ہیں۔

اگر کوئی صاحب علم مسلمان عظمتِ خدا اور ناموسِ مصطفیٰ کا دفاع کرنا ضروری سمجھے اور ان کی کوئی

بھی خلافِ دین و دیانت بات زبان یا قلم پر لے آئے تو یہ حضرات کسی مرحلے پر بھی اس سے درگزر کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک اب یہ ضروری نہیں رہا کہ کوئی خدا کا بندہ یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بن کر رہے، ان کی طرف داری کرے بلکہ دارالعلوم دیوبند کے تیار کردہ اسلام کا اولین رکن یہ ہے کہ ایک مسلمان کو علمائے دیوبند کا ہمنوا ہونا چاہیے اور اس کے بعد خواہ وہ اللہ اور رسول کو علمائے دیوبند کی طرح گالیاں بھی دیتا پھرے تب بھی اس کے مسلمان ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بس ایسے لوگ مسلمان شمار ہوں گے اور جو اس زمرے سے باہر ہے وہ مشرک قرار پائیں گے، بدعتی کہلائیں گے اور کسی مرحلے پر بھی انھیں مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

جب علمائے دیوبند پورے خلوص اور کمال تقدس کے ساتھ کفر بیزی، کفر خیزی اور کفر بیزی کر رہے تھے تو علمائے اسلام سے یہ جرم سرزد ہو گیا کہ انہوں نے ان حضرات کے بالمقابل اللہ اور رسول کی شان کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں علمائے اہل حق سے جس نے اس جرم کا سب سے بڑھ کر ارتکاب کیا وہ ہے امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذاتِ بابرکات، موصوف کو پروردگارِ عالم نے چودھویں صدی میں سرمایہ ملت کی نگہبانی پر مقرر فرمایا تھا اور اس صدی کا مجدد بنایا تھا اس لیے وہ بھی اپنی جگہ پر اس جرم کا ارتکاب کرنے پر مجبور اور مامود تھے۔

فاضل بریلوی کا یہ ایسا فعل ہے جس کے باعث علمائے دیوبند نے انھیں آج تک معاف نہیں کیا اور انہیں سب دشمن کا نشانہ بنا کر ہر دیوبندی، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، و ذریعہ ہو یا در بد پھرنے والا فقیر، بہر حال اساطینِ دیوبند کی بارگاہوں میں سُرخرو ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ اُسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شمار کرے یا نہ کرے، ایمان کی دولت اس کے پاس ہے یا نہ رہے لیکن اکابرِ دیوبند کی محبت اور عقیدت اور امام احمد رضا بریلوی کی نفرت و عداوت کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ان حضرات کے لیے فاضل بریلوی کو مطعون کرنا، بہتان باندھنا اور ان پر الزامات عائد کرنا ایسا ہی ضروری ہو گیا ہے جیسا کہ روافض نے حضراتِ خلفائے ثلاثہ پر تبرک کرنا اپنے دین کا رکنِ اعظم بنایا ہوا ہے جیسا کہ تو یہ تھا کہ اکابرِ دیوبند کفریہ جبارتیں نہ لکھتے، کفریات سے باز آجاتے اور ان کی نشر و اشاعت

نہ کرتے اور جب وہ ایسا کر لیتے تو فاضل بریلوی کو ان کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا ہی نہ کرنا پڑتا یعنی
 نہ وہ کفر کرتے نہ تکفیر ہوتی
 رضا کی خطا اس میں سرکار کیا ہے

گکھڑوی صاحب کی مزاج پرسی

جلیل اساطین دیوبند کی طرح ہر دیوبندی
 عالم کی دین و دیانت اور انصاف و صداقت سے ہمیشہ دشمنی رہی ہے۔ اسی دیوبندگی کے
 نشے سے چکنا چور ہو کر آج کل مولوی ابوالزہاب محمد سرفراز خاں صاحب صفحہ گکھڑوی کچھ زیادہ ہی
 اچھل کود ہے ہیں۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ موصوف دوسروں سے کچھ زیادہ ہی پی بیٹھے ہیں۔
 ان کی علمائے اہلسنت اور خصوصاً اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا خاں بریلوی ^{رحمۃ اللہ}
 علیہم الزامات و بہتانات کی دھواں دھار بمباری کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف تو اپنے
 اسلاف کے بھی کان کترتے جا رہے ہیں۔ گکھڑوی صاحب اگر اپنی تصانیف میں اہلسنت و جماعت
 پر ناجائز حملے نہ کرتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہیں خواہ مخواہ مخاطب کرتے لیکن موصوف
 کی ڈینگیں اور من تراشیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی مخصوص
 ترنگ میں کس ٹھاٹ باٹ سے لکھا ہے ..

مولوی احمد رضا خاں کا مزاج نہایت جذباتی اور طبیعت سید غلو پسند
 اور متعصبانہ تھی۔ ان کی عبارات میں اس امر کا واضح ثبوت موجود ہے، اپنے
 مخالفین اور خصوصاً علماء دیوبند کی تکفیر میں جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے عالم
 تو درکنار دنیا کا کوئی شریف انسان بھی اس کو اختیار نہیں کر سکتا کہ ان کی مراد اور
 نیت کے خلاف ان کی عبارات کا مطلب از خود تراشے اور بزور کشید کر کے
 ان پر کفر کا فتویٰ لگائے اور پھر ان کی تکفیر نہ کرنے والوں بلکہ شک کرنیوالوں
 کو بھی کافر قرار دے۔ حالانکہ اکابر علماء دیوبند چلا چلا کر کہتے رہے ہیں کہ جو مطلب
 تم نے بیان کیا ہے یا تم مراد لے رہے ہو، ہماری ہرگز وہ مراد نہیں اور نہ ہم اس معنی
 کو صحیح سمجھتے ہیں بلکہ ہم بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو

یہی تھا کہ خان صاحب اس کے بعد اُن کی تکفیر سے باز آجاتے اور علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے کہ میں نے غلط سمجھا تھا اور میں اب اپنے سابق غلط فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں لیکن خان صاحب نے مرتے دم تک اپنی ضد نہیں چھوڑی اور اکابر علماء دیوبند کی ناروا تکفیر سے باز نہیں آئے۔ ان کی چند عبارت ملاحظہ کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: علام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبٹھوی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے، بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے

کفر میں بھی شبہ نہیں (حمام المحرمین ص ۱۳۱، فتاویٰ افریقیہ ص ۱۰۹)۔

اگر گھڑوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دعائے ندوی اور سینہ زوری سے اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر لیں گے تو یہ اُن کی بھول ہے کیونکہ جس طرح رات کبھی دن نہیں ہو سکتی اسی طرح کفر کبھی اسلام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر علمائے دیوبند کو اپنی جڈ ریا اور غیر متعصب برٹش گورنمنٹ ابد قرار اور سرسربت پرست گاندھوی سرکار سے وظیفوں اور نذرانوں کے بدلے اسلام دشمنی اور حق و صداقت کا منہ چڑانے کی ڈیوٹی ملی ہوئی ہے تو بفضلہ تعالیٰ اہل حق کو حق و صداقت کا علم بلند رکھنے نیز عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفویٰ کا دفاع ان حضرات کی ذمہ داری ہے جسے وہ قیامت تک ادا کرتے رہیں گے اور اپنا فریضہ ادا کرنے سے کبھی نہیں رُک سکتے خواہ ان کے راستے میں میدان کربلا آئے یا تلوعہ گوالیار۔ لہذا

ہاں چاہتے ہیں کہنا کچھ اپنی لے میں ہم بھی
نغمہ نور و زکھ دے اب ساز کن ترانی

پہلے عالم برہم اللہ

اولاً۔ مجدد مانتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمائے ہند کے علاوہ علمائے حرمین طیبین نے تائید و تصدیق کی نیز ان حضرات کے پاکیزہ تاثرات اور اعزاز و اکرام کے الفاظ فتاویٰ الحرمین، حمام الحرمین، الدولہ المکیہ الاجازت المیتینہ اور کفل الفقیہ وغیرہ کتب و رسائل میں موجود ہیں۔ جن کی ایمان افروز، خارجیت سوز جھنکار سے سارا عالم اسلام گونج رہا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی بناوٹ ہوتی تو علمائے حرمین کو یہ مطبوعہ کتابیں دکھا کر ان حضرات سے تردید کروائی جاسکتی تھی جب مخالفین کسی تصدیق کرنے والے کئی یا مدنی عالم سے ایسا ایک بیان بھی حاصل نہیں کر سکے تو مبتدعین زمانہ کا فاضل بریلوی کے خلاف شور مچانا کسی منصف مزاج کے نزدیک کتے کی بے مقصد کانٹیں کاٹیں سے کتنا مختلف ہو سکتا ہے ؟

ثانیاً۔ اکابر دیوبند نے خود کفریہ عباراتیں لکھیں، خود انہیں سالہا سال تک شائع کرتے رہے۔ علمائے اہلسنت کی جانب سے متواتر مواخذہ ہوتا رہا، رد و تردید میں ملک کے گوشے گوشے سے کتب و رسائل شائع ہوئے۔ اعلیٰ حضرت بھی تحریری طور پر ان حضرات کو سمجھاتے اور کفریات کو برابر واضح کرتے رہے۔ جب دیکھا کہ وہ اپنے کفریات پر ٹھہرے اور اس کے باوجود کہ وہ اپنی کسی عبارت میں کوئی اسلامی پہلو نہیں دکھاسکے، پھر بھی عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنانے اور ان سے رجوع کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو مسلمانوں کو ان کے کفریات میں تلوث ہو کر ایمان کی دولت برباد کرنے سے بچانے کی خاطر اکابر دیوبند کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ یہ سب کچھ عظمت خدادندی اور ناموس مصطفوی کے دفاع میں اہل اسلام کی خیر خواہی کے لیے کیا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ دیوبندی حضرات کسی مرحلے پر اسے معاف کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے باعث عبارات اکابر کے مصنف کو تو چڑھیں صدی کا مجدد اور سرمایہ ملت کا نگہبان ایک شریف انسان ہی نظر نہیں آتا۔ اکابر دیوبند نے اللہ اور رسول کو گالیاں دیں تو انہیں توبہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جس نے یہ ثابت کیا کہ ان لوگوں نے اللہ و رسول کو گالیاں دے کر اپنے دین و ایمان کا بیڑہ غرق کر لیا ہے، اُسے چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ کر یہ عہد کر لیتا کہ آئندہ آپ اللہ و رسول کو جتنی چاہیں گالیاں دیں لیکن میں نہیں بولوں گا۔ جتنے مسلمانوں کو چاہے کفر کے سمندر میں ڈبو دیجئے لیکن میں آپ حضرت کے تقدس میں چھپے ہوئے کفریات کے پردے نہیں کھولوں گا۔

اکابر دیوبند نے اللہ و رسول کو منغظات سنائیں لیکن دیوبندی حضرات کے نزدیک وہ شریف انسان ہی نہیں بلکہ شرافت کے پیکر اور اسلام کے ایسے علمبردار تھے کہ اسلام قائم ہی ان حضرات کے دم قدم سے تھا۔ افسوس! جن حضرات نے انصاف و دیانت کا یوں سر بازار خون کر دیا ہو وہ چاہیں تو اللہ اور رسول کی شان پر حملہ کرنے والوں کے سر پر بزرگی کی تاج رکھیں اور چاہیں تو عظمت خداوندی و شان مصطفوی کا دفاع کا بازار کرنے والوں کو طرہوں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیں کیونکہ جہانے اَرْبَابًا قِنْدُونِ اللّٰہِ کا ہو یا اُس نے ہر بات کو اسی زاویہ نظر سے دیکھنا ہے جبکہ ایک مسلمان کا زاویہ نظر الْحُبِّ فِي اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰہِ ہوتا ہے۔ یہ دونوں نظریے متضاد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہوتا ہے؛ دریں حالات :-

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا

ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا

جو حضرات دیوبندیت و بریلویت کے خول سے باہر نکل کر اور ایں و آں کی نفرت و محبت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اللہ جل شانہ کے بندے اور نبی آخر الزمان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی بن کر ان کفریہ عبارتوں کو بغور دیکھیں تو ہر منصف مزاج کو آفتاب میرونی کی طرح یہی نظر آئے گا۔

دفا کے بھیس میں بیٹھے تھے پانچوں بے دفا ہو کر

ثالثاً۔ مصنف صاحب کا یہ کہنا کہ، "اکابر دیوبند چلا چلا کر کہتے اور لکھتے رہے ہیں کہ

جو مطلب تم نے بیان کیا ہے یا جو تم مراد لے رہے ہو ہماری ہرگز وہ مراد نہیں ہے۔"

گکھڑوی صاحب! ذرا عبارت اکابر کے مصنف سے کہیے تو سہی کہ وہ کفریہ عبارتیں

اُردو زبان کی ہیں کوئی لاطینی یا عبرانی زبان کی نہیں ہیں کہ ان کے سمجھنے والے ہی نایاب ہوں۔ ہر

پڑھا انسان ان عبارتوں کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ بریں وہ کوئی پہیلیاں یا بھارتیں نہیں

ہیں کہ گتھیاں سلجھانی پڑیں گی بلکہ سیدھی سادی عبارتیں ہیں اور ان عبارتوں کے وہی مفہوم و مطالب

لیے جاسکیں گے جو ہر عاقل و مُصنّف کے نزدیک ان عبارتوں سے نکل رہے ہیں۔ اگر کوئی حنظل

کہے اور بتائے کہ میری مراد مالٹا ہے یا کوٹا کھائے اور کبوتر بتائے تو ایسی شعبدہ بازی کسی عاقل

کے نزدیک کب قابل قبول ہے؟ ایسی مراد کوئی چلا چلا کر بتائے یا دیواروں سے ٹکریں مار کر کہے

پھر بھی نامراد ہی رہے گا کیونکہ مفہوم کا عبارت کے اندر ہونا ضروری ہے۔

اگر ان اکابر دیوبند کا مقصد حیات کافر گری ہو کر نہیں رہ گیا تھا تو وہ عبارتیں آسمانی وحی

نہیں تھیں کہ ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ چند مولویوں کی عبارتیں تھیں اور فریق ثانی کا مطالبہ بھی یہی

تھا کہ ان کا مفہوم کفریہ ہے لہذا انھیں بدل کر اسلامی بنا لیجئے۔ اگر نیت میں کھوٹ نہ ہوتا

اور کسی کے ہاتھوں میں چوں قلم در دست کاتب نہ ہو گئے ہوتے تو چند لفظوں کی تبدیلی میں

رکاوٹ کیا تھی؟ ان عبارتوں کو خود یا بل جیل کر تبدیل کر لیتے تو سارا قضیہ ہی ختم ہو جاتا اور ان

مہربانوں کی بھڑکائی ہوئی فتنہ فساد کی آگ اُسی وقت بجھ جاتی جس نے مسلمان کہلانے والوں

کے خرمین اتحاد میں آگ لگائی ہوئی ہے اور مدعیان اسلام آج تک اہل سنت و جماعت کہلانے

کے باوجود آپس میں دست و گریبان چلے آتے ہیں۔

اگر اکابر دیوبند لیا کر لیتے اور اس کے باوجود مواخذہ کرنے والے باز نہ آتے تو ہر عاقل یہ کہنے

پر مجبور ہو جاتا کہ معترضین کی نیت میں کھوٹ ہے اور وہ مخالفت برائے مخالفت کر رہے ہیں۔

دُنیا نے دیکھا کہ اکابر دیوبند مرتے وقت تک اپنی کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنا لینے پر آمادہ نہیں

ہوئے اور عمر بھر اختلاف کی آگ کو بھڑکاتے اور مسلمانوں کے خرمین اتحاد میں آگ ہی لگاتے رہے

دریں حالات کون یہ سمجھنے پر مجبور نہیں ہوگا کہ وہ حضرات ظاہری تقدس کے بادے میں چھپ کر تخریب دین و افتراقِ بین المسلمین کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔

رابعاً۔ عباراتِ اکابر کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ فلاں صورتِ حال کے بعد خالصاً بریلوی کو چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے۔ لکھنؤوی صاحب اپنے اونچی چوٹی کے مصنف کو بتا دیجئے کہ حضور والا! اگر آج بھی آپ اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر دیں تو اختر شاہ جہان پوری وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کر دے گا کہ علمائے دیوبند کی تکفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غلطی واقع ہو گئی تھی۔ اس کے برعکس مصنف صاحب اپنے اونچی چوٹی اور گاندھوی لنگوٹی کے سارے دیوبندی علماء کے تعاون سے بھی ان عبارتوں کو اسلامی ثابت نہ کر سکیں تو اپنے نالائقوں گنگوہی، انبٹھوی اور عثمانوی آخر باباً قَدْ دُونَ اللَّهِ کو مترجمانِ کریمان ہونا پڑے گا اور اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کر دانا پڑے گا کہ اپنے ان فلاں فلاں مولویوں کو ہم آج تک بزرگ مانتے رہے لیکن ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ وہ چاروں تو اسلام و مسلمین کے پراسرار دشمن ہو کر اسلام کے دائرے سے برضا و رغبت نکل گئے تھے۔

لکھنؤوی صاحب! اگر آپ کے بلند بانگ مصنف صاحب ایسی تحریر دینے کے لیے تیار ہوں تو جلد از جلد بسم اللہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے، افہام و تفہیم کی خاطر اس عاجز کے ساتھ تحریری گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا دیکھ لے گی کہ آپ کے مصنف صاحب اور ان کی ساری دیوبندی برادری کے جملہ بلند بانگ و عادی کے سارے جوہر کھل جائیں گے۔ حق و باطل ایسا کرنے سے میزانِ تحقیق و انصاف پر ٹل جائیگی اور علمی دھاندلی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا۔

فلک کو ابھی دل جلوں سے پڑا کام نہیں

جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

لکھنؤوی صاحب! شاید آپ کے مصنف صاحب نے یہ باطل سوز شعر آج تک سنا نہیں۔

۵ کلک رضا ہے خنجر خنجر بخوار برق بار
ادار سے کہہ دو خیر منامیں نہ شر کریں

خامساً۔ گگھڑوی صاحب! ذرا عبارتِ اکابر کی مذکورہ پیش کردہ عبارت پھر ملاحظہ فرمائیے۔ اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ موصوف نے حامی الحرمین صفحہ ۱۳۱ اور فتاویٰ افریقیہ، صفحہ ۱۰۹ سے نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے۔

جناب عالی! ذرا حامی الحرمین اور فتاویٰ افریقیہ میں اس عبارت کو ایک مرتبہ اور دیکھ لیجئے۔ اگر یہ عبارت فاضل بریلوی کے بجائے علمائے مسکوتہ مکرمہ سے محافظ کتب حرم اور اسلام کے بطل جلیل، علامہ سید اسمعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء) کی تقریظ کے ان لفظوں کا ترجمہ ہو جن کے ذریعے موصوف نے اکابر دیوبند کے بارے میں حکمِ شرع بیان فرمایا تھا، تو اپنے قبیلے کے اونچی چوٹی کے مصنف صاحب کو اس علمی خیانت کی دل کھول کر داد تو دے دینا، جو اہل حق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بول رہے ہیں، مطلقاً اس کتوت پر نہیں شرماتے اور نہ ارشاد خداوندی لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ کو ذرا بھی خطرے میں لاتے ہیں۔ گگھڑوی صاحب! کیا ایسا دروغ گو اور گندم نما جو فروش از روئے شرع مردود الشہادۃ اور ناقابل اعتبار نہیں ہوتا، کیا حق و باطل کا فیصلہ کرنا ایسے ہی فنکاروں اور شعبہ بازوں کا کام ہے؟

سادساً۔ علامہ سید اسمعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ علیہ کے اظہارِ حق سے معلوم نہیں سوننا تہ نجد کے ہر دیوبند کا بند بند کیوں کانپ اٹھتا ہے؟ کیوں ان کی عبارتوں کو دوسروں کے سر منڈھنے کا فریاد کیا جاتا ہے؟ حالانکہ علامہ موصوف تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فرزند تھے، جن کے ساتھ علمائے دیوبند اپنا روحانی رشتہ بڑے فخر سے ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ کہیں وہ رشتہ ناظم محض ہاتھی کے دکھانے والے دانت تو نہیں درنہ

خوب خدا اور شرم نبی کے باعث نہ سہی لیکن قبلہ حاجی صاحب کی علمی بارگاہ کا تحفہ سمجھ کر ہی علامہ
موصوف کے فیصلے کو تسلیم کر لیتے۔ خدا ہی بہتر مانتا ہے کہ حضرات علمائے دیوبند کے سامنے
وہ کونسی مصلحت تھی جو ان کو حق کے قبول کرنے سے باز رکھے ہو تھی جس کے باعث ان
مہربانوں میں یہی مردانگی اور دینداری رہ گئی تھی کہ جیتے جی حق کو باطل اور باطل کو حق بتاتے ہے
دریں حالات :-

کہنے کو ان سے کہہ رہا ہوں حال دل مگر
ڈر ہے کہ شانِ ناز یہ شکوہ گراں نہ ہو

سابعا۔ مصنف صاحب یہ بھی تاثر دے رہے ہیں کہ اللہ اور رسول (جہل جلالہ و صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والے ان چاروں علمائے دیوبند کو صرف چند بریلوی علماء
ہی کافر سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اکثر علمائے اہلسنت نے ان کی تکفیر نہیں کی اور توقف
کرنے والے تو بیشتر تھے۔

لکھنؤی صاحب! ذرا عبارات اکابر کے مصنف کی عقل کے ناخن تو لیجئے۔ علمائے پاک و بند
کی تصدیقاً پر مشتمل الصورم الہندیہ نامی کتاب آپ نے یقیناً پڑھی ہوگی، کیا وہ دو سو اڑسٹھ^{۲۴۸}
علمائے کرام بھی چند ہیں؟ حالانکہ ہم اس تعداد کو بفضلہ تعالیٰ کسی گنا بڑھا بھی سکتے ہیں، لیکن ہماری
فہرست کے علماء تو سینکڑوں کی تعداد میں بھی چند ہی شمار ہونگے لہذا ہم مصنف صاحب
کی فہرست ہی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے کہ واقعی تکفیر کرنے والے علماء
بیش تر اور توقف کرنے والے تو بیشتر نکل آئے۔ دیکھتے ہیں کہ مصنف کی طرف سے ان بیشتر
اور بیشتر علماء کی فہرستیں کب تک منظر عام پر آتی ہیں۔

خیال خاطر اجاب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آجینوں کو

مصنف صاحب نے اپنی دوسری تصنیف میں مفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ
اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۱ھ) کو لکارتے ہوئے خوب جو اندوزی دکھائی اور پیش خویش اپنے

اکابر کا سارا قرضہ چکا دیا۔ جو فرما دیا اُسے صرف آخر سمجھ لیا، جتنے مغالطے دیئے انہیں اب جنت سمجھا، جتنا آسمان کی طرف تھوکا اُسے دوسروں کے منہ میں گرتا ہوا سمجھا، جتنی چاند کی طرف دھول اُڑائی اُسے تحقیق کا جوہر قرار دے کر سمجھ بیٹھے کہ آسمان میں تھکلی لگا دی ہے اب ان کی ڈیڑھ گڑھ کوئی کھول نہیں سکے گا۔ ان کی ایسی عبارت کے تیور تو ملاحظہ ہوں :-

مفتی صاحب نے دیوبندی مظلوموں پر کفر و ارتداد کا ظالمانہ نشر چلاتے ہوئے بے دھڑک علمائے عرب و عجم کا نام استعمال کیا ہے۔ یہ بھی مفتی صاحب کی انتہائی خیانت ہے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ انگریز کے زمانے میں ایک خاص مصلحت کے پیش نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع دُبرید کر کے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا اور حسام الحرمین کے نام سے وہ شائع کیا تھا۔ لیکن جب اکابر علمائے دیوبند کو اس مکاری کا علم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد لکھ کر علمائے حرمین اور شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وہ پڑھ کر خالصاً صاحب بریلوی پر صد نفریں کی اور اکابر علمائے دیوبند کو پکا مسلمان اور سنی مسلمان کہا اور ان اکابر کے عقائد اور علمائے حرمین وغیرہ کے فتویٰ کتاب الہند علی المغند میں مذکور ہیں جو ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ سے مسلسل کئی بار طبع ہوئی اور اب صرف اردو میں عقائد علمائے دیوبند کے نام سے متعدد مقامات سے وہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد حرمین اور عرب و مغرب ممالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی ہرگز تکفیر نہیں کی۔ اگر مفتی صاحب میں دم خم ہے تو اس کے بعد کے علمائے حرمین اور عرب کی الہند علی المغند کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور اب بھی بہت ہے تو بتادیں۔

گکھڑوی صاحب! آپ نے مصنف باپ جنت کے بلند بانگ دعادی ملاحظہ فرمائے ان کی ڈینگیاں اور لن ترانیاں سن لیں۔ بس جو کچھ انہوں نے فرما دیا گویا وہ ثابت ہو گیا کیونکہ ان کے ارشادات کو کسی ثبوت کی ضرورت بھی کیا ہے اور آخر لوح محفوظ سے وہ کون سے دور رہتے ہیں کہ کسی خارجی ثبوت کی ضرورت پیش آئے۔ بہر حال محض احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر یہ فقیر اپنے رب تقدیر اور اس کے حبیب بشیر ذذیر (جل جلالہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے

کی تائید و اعانت کے بھروسے پر میدانِ تحقیق میں قدم رکھتا اور یہ کہتا ہوا اپنے
رہو اور قلم کو اذنِ خرام دیتا ہے۔

غزل اس نے چھٹری مجھے ساز دینا

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

گکھڑوی صاحب! آپ ذرا بابِ جنت کے مصنف کو بتادیں کہ اسے ساتھی! ابرہہ
کے ہاتھی! وہ دیکھ خدائی فوج ظہر موج کا ایک ابا بیل (اختر شاہ جہان پوری) آج آیاتِ محکمہ
سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ کی تین کنکریاں لے کر عین آنجنابِ معلیٰ القاب کی نجدی چندیا
پر منڈھلا رہا ہے۔ اب حضورِ والا بھی کعصفِ ماکول ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر نہ
کہنا کہ مجھے تو خبر ہی نہ ہوئی۔

اولاً۔ مصنف صاحب غور تو فرمائیں کہ علمائے دیوبند نے خود ہی برضا و رغبت غیر اسلامی
روش اختیار کی کہ مسلمان کہلانے اور صاحبانِ جتہ و دستار ہونے کے باوجود اللہ اور رسول کو
گالیاں دیں، خود ہی ان گالیوں اور سراسر غیر اسلامی عقیدوں کو بڑے اہتمام سے شائع کرتے
رہے۔ ان حالات میں علمائے اہلسنت کے سمجھانے بچھانے، خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا زیاد
دلانے کے باوجود بھی ان کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنا کر اور نہ جیتے جی ان کفریہ عبارتوں
سے توبہ کی۔ اس پر علمائے عرب و عجم نے تو ازراہِ خیر خواہی صرف مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ
فلاں فلاں حضرات غیر اسلامی راستے پر گامزن ہو کر رہنا کی جگہ۔ بہنرنِ دین و ایمان ہو گئے
ہیں لہذا ان کے پیچھے لگ کر اپنے ایمان کی متاعِ عزیز ضائع نہ کر بیٹھنا۔ یہ اللہ اور رسول
کی طرف سے مسلمانوں کی خیر خواہی میں فرضِ عاید ہوتا تھا جو ان حضرات کو ادا کرنا چاہیے تھا۔
بابِ جنت کے مصنف کو شکایت ہے کہ مسلمانوں کو خبردار کرنے والے علمائے اپنا
شرعی فریضہ کیوں ادا کیا ہے ان کے اَرْبَابًا قَسِينِ دُونَ اللّٰهِ کو سر بازار ننگا کیوں کیا، ان کے
چہروں پر ظاہری تقدس کی پڑی ہوئی نقاب بٹا کر ان پانچوں حضرات کے مکروہ چہرے
ساری دنیا کو کیوں دکھائے ہے گویا اللہ اور رسول کو گالیاں اور انہیں پورے اہتمام سے

شائع کرنا ترقی درجات کا زینہ تھا۔ عظمت خداوندی اور ناموس مصطفوی پر حملہ کرنے کا
 اُن حضرات کو پیدائشی حق حاصل تھا اور ایسا کرنے سے اُن کے دین و ایمان کی صحت پر کوئی
 بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اُن کی بزرگی کے آسمان میں گویا اور چار چاند لگ گئے۔

کاش! بابِ جنت کے مصنف نے اس تصادم کے دونوں فریقوں کا پہلے تعین کر
 لیا ہوتا تاکہ معاملے کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی۔ آئیے ہم بتاتے ہیں کہ اس تصادم کا فریق
 اول اکابرِ دیوبند ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول کی شان پر ناپاک حملے کیے۔ فریق ثانی اللہ
 اور رسول ہیں جن کی شان پر حملے ہوئے۔ کیا مصنف صاحب کیجے پر ہاتھ رکھ کر بتانے کی
 جرات کریں گے کہ وہ فریقین میں سے کس کو ظالم سمجھتے ہیں؟ کاش! دیوبندی حضرات یہ فیصلہ
 دنیا میں ہی کر لیں تو سب سے زیادہ خود اُن کا اپنا بھلا ہوگا کہ وہ مغت میں عاقبت برباد کرنے
 کے وبال سے بچ جائیں گے و اللہ ولی التوفیق

اگلا مرحلہ فریقین کی حمایت، اور طرف داری کرنے والوں کا ہے۔ اکثر علمائے کرام نے
 اللہ اور رسول کا حمایتی بن کر حملہ آوروں سے مقابلہ کرنا اپنا اسلامی اور ایمانی فریضہ شمار کیا اور
 اس فرض کے ادا کرنے میں وہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لے آئے جبکہ بعض صاحبان جب وہ
 بھی تھے اور ہیں کہ جنہوں نے عظمت خداوندی اور ناموس مصطفوی کو نظر انداز کرتے ہوئے
 اللہ اور رسول کے دشمنوں یعنی اپنے حملہ آوروں کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ اللہ اور رسول کے
 خلاف سف آراء ہونا منظور کر لیا لیکن اپنے اُس باباً قس دُونَ اللہ کی حمایت سے
 دست بردار ہونا کسی مرحلے پر بھی پسند نہیں ہے۔

اس قضیے کو صرف علما نے دیوبند اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ٹکڑا قرار
 دینا محض ایک مبالغہ ہے کیونکہ یہ اس المناک کتاب کا ایک باب تو ضرور ہے لیکن اس تصادم
 کی بنیاد تو یہی ہے کہ اکابرِ دیوبند نے عظمت خداوندی اور ناموس مصطفوی پر حملے کیے اور
 جب تک وہ دنیا میں زندہ رہے تو اپنی اس ظالمانہ اور غیر اسلامی روش سے ایک پہنچ
 بھی نہیں ہٹے۔ ایسی کے پیش نظر علما نے عرب و عجم نے اُن حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ
 ادا کیا تھا۔

اسی حقیقت کو اگر مصفتی احمد یارغاں رحمۃ اللہ علیہ نوکِ قلم پر لے آئے تو انہوں نے کونسی خیانت کا مظاہرہ کیا؟ مصفتی صاحب یا کسی بھی سنی عالم کو علمائے دیوبند پر ظالمانہ نثر چلانے کی نہ اس سے پہلے کوئی ضرورت تھی اور نہ آج ہے بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت رونا تو اس بات کا ہے کہ اکابر دیوبند کو اپنی جانوں پر اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیے تھا کہ چند کھوٹے سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کے بدلے کفر و ارتداد کے کڑے پیالے برضا و برغبت پی گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ کاش! وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ اسی المیہ کے باعث اہلسنت کہلانے والے آپس میں دست و گریباں چلے آ رہے ہیں اور ان حضرات کے پیچھے لگ کر ہزاروں لاکھوں مسلمان اپنے ایمان کی دولت کو برباد کر چکے ہیں وَاللّٰهُ کَیْفَ یَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

ثانیاً۔ مصنف صاحب اس عبارت کے ذریعے یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ امام احمد رضا غاں بریلوی نے گویا حکومت کے ایما پر علمائے دیوبند کی تکفیر کی تھی۔ حالانکہ مصنف صاحب کا ایسا الزام ہے جس کی صحت پر وہ اپنی ساری زندگی میں ایک دلیل بھی قائم نہیں کر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پانچوں حضرات کی تکفیر محض ان کی کفریہ عبارات اور غیر اسلامی عقائد و نظریات کے باعث ہوئی تھی۔ مصنف صاحب اس میں خواہ مخواہ سیاسی رنگ بھرا چاہتے ہیں۔ اگر اس تکفیر میں حکومت وقت کا ذرا سا اشارہ بھی ہوتا تو برٹش گورنمنٹ کے خود کاشتہ پورا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی ہرگز تکفیر نہ کی جاتی۔ اس تکفیر نے تو انگریزی حکومت کو اتنا نقصان پہنچایا کہ شاید ۱۸۵۷ء کے بعد کی پوری نوے سالہ تاریخ میں اب اتنا نقصان سب ملکر نہ پہنچا سکے ہوں کہ اس کی پر اسرار شرح کے چھبے مات ہوئے اس کے وہ خود کاشتہ پورے جو تناور درخت ہو چکے تھے انھیں بریلی کے آبِ مروجین نے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ برٹش گورنمنٹ کے پر اسرار جنرل ایجنٹوں کو ساری دنیا کے سامنے جھکا کر دکھایا۔

ثالثاً۔ ہو سکتا ہے کہ مصنف صاحب اس بات پر چہن چہیں ہوں کہ اکابر دیوبند کو

مرزا انور احمد قادیانی کی طرح برٹش گورنمنٹ کے ایجنٹ کیوں کہہ دیا اور عین ممکن ہے کہ وہابی حضرات کے شبانہ دوز غلط پروپیگنڈے کے باعث بعض قارئین بھی ہمارے اس بیان سے اتفاق نہ کریں۔ ایسے جملہ حضرات کی خدمت میں ہم خود علمائے دیوبند کی تصانیف ہی سے چند عبارتیں پیش کر کے قارئین کرام سے انصاف کے طلب گار ہوں گے۔ دیوبندی حضرات کی مشترکہ کوششوں سے تیار کی ہوئی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق ایک واقعہ یوں مرقوم ہے۔

ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا فاسم العلوم (مولوی محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے اور بند و قچیوں (حریت پسندوں) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرجما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر چاشمی کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ کے شجاعت و جوا نردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور سادر سے بہا در کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بند و قچیوں کے سامنے ایسے جھے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب) پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر نائف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

گکھڑوی صاحب! ذرا باب جنت کے مصنف سے پوچھئے تو سہی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کیا یہ امام احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے اباؤ اجداد یا اساتذہ و شاخ حریت پسندوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مصنف کے وہ اپنے ہی اُسْرَ بَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ تھے؟ یہ اپنی سرکار کے مخالف باغیوں سے لڑنیوالا اور اپنی سرکار پر جان قربان کرنے والا گروہ بھلا کن افرو پر مشتمل تھا؟ ذرا ملک و ملت کے نام پر باغیوں، بیخوابوں اور جعفر بنگال و صادق دکن کے جانشینوں کے نام صفحہ دل پر لکھ لیتے۔ سند سے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ گکھڑوی صاحب! ذرا باب جنت

لے تدریس سید احمد علی مطہر کراچی، ص ۷۷، ۷۸

کے مصنف سے اتنی اپیل تو کر دیجئے ۔

۴ رہنمائی اور رہبروں کو غور سے پہچان کر

مولوی جی منصفی کرنا خدا کو مان کر

گگھڑوی صاحب اباب جنت کے مصنف کو بتا دیجئے کہ اگر انہوں نے اس تکفیر کے خاکے میں رنگ بھرنایا ہی تھا تو انصاف و دیانت سے کام لیکر یوں بھڑنا چاہئے تھا۔
 ”انگریزوں نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت وظیفوں اور نذرانوں سے مالا مال کر کے قادیانی و نانو تو می، گنگوہی و اٹکھوی اور تھانوی صاحب سے کفریہ عبارتیں لکھوائیں۔ تھانوی صاحب اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوائیں جن کے باعث ایک جانب مسلمان اپنے ایمان کی دولت سے محروم ہونے لگے اور دوسری جانب آپس میں سر پھٹول ہونے کے باعث اجتماعی قوت کمزور ہو گئی اور یوں برٹش گورنمنٹ نے اپنے ان پڑا سردار کھنڈوں کے ذریعے اپنا سیاسی مقصد پورا کیا۔ اگر مصنف صاحب ایسا سمجھتے تو ان کا بیان حقیقت پر مبنی ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو انصاف و دیانت سے تامل کا نہیں جتنا اپنے اسر بابا قسن دؤن اللہ کی بارگاہوں میں نذرانہ عقیدت سے۔۔۔ سے سروکار ہے۔
 گگھڑوی صاحب! آپ اباب جنت کے مصنف کو ان سے ہم رہبان یعنی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، آنجنابانی کے بارے میں ان کے سوانح نگار مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبندی کا یہ فیصلہ کن اور واضح بیان تو سنا دیں جو میرٹھی صاحب نے لکھا ہے۔
 جیسا کہ آپ حضرات (گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تا زبیت خیر خواہ ہی ثابت رہے۔“

گگھڑوی صاحب! آپ نے مصنف اباب جنت کے اسر بابا قسن دؤن اللہ کا حال ملاحظہ فرمایا۔ لگے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا پوچھ لیجئے کہ حضور والا! انگریز جیسے اسلام کے ازلی دشمنوں، مسلمانوں کے بدخواہوں کو کون سے قدران ملک و ملت اپنی مہربان

سرکار کہتے رہے ہے وہ کون سے لصوص دین تھے جو برٹش گورنمنٹ کے دلی خیر خواہ بن کر رہے ہے ان گندم ناخو فروش بدبختوں کے نام کیا ہیں جو مرتے دم تک انگریزی حکومت کی خیر خواہی میں ثابت قدم رہے تھے ہے قلم چور مصنف صاحب کے مُنہ سے کچھ تو نکلا ہے کہ انگریز کا تازہ سیت دلی خیر خواہ رہنے والا احمد رضا خاں بریلوی تھا یا گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی؟
 اگر مصنف صاحب کی ابھی تسلی نہ ہوئی ہو تو انہیں سرکار گنگوہیت ماب کا اپنے متعلق یہ ذاتی بیان بھی سُنا دیجئے۔

جب میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکانہ ہوگا اور اگر مارا گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ لے
 گنگوہی صاحب! دیوبندی فوج کے جرنیل صاحب نے واشگاف لفظوں میں اپنی پوزیشن واضح کر دی، ساف بتا دیا کہ میں تو برٹش گورنمنٹ کا فرماں بردار اور دلی خیر خواہ (جینٹ) ہوں۔ ہم تو اپنی مہربان سرکار کے حضور یوں ہیں جیسے مُردہ خصال کے سامنے یا قلم کا تپ کے ہاتھ میں۔ مردے اور قلم کی کوئی مرضی نہیں ہوتی بلکہ مرضی اور اختیار کام کرتا ہے خصال اور کاتب کا وہ ہماری مہربان انگریزی سرکار ابد فرار ہے۔ کاش! کوئی باب جنت کے مصنف کو اس وقت یہ شعر سُنا دے۔

وہ شیفتہ کہ دشوم تھی حضرت کے نہ ہر کی

میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر لے

گنگوہی صاحب! کیسے واشگاف الفاظ میں گنگوہی صاحب نے یہ وضاحت فرمادی تھی کہ میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں اس کے باوجود اگر آپ کے سامنے کوئی انہیں برٹش گورنمنٹ کا مخالف بتائے تو اُسے لَعْنَةُ اللَّهِ عَلٰی الْكَٰذِبِیْنَ سنا دینا۔ سر دست یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ قیام پاکستان سے پہلے دیوبندی حضرات کا ۱۸۵۶ء کی جنگ آزادی کے بارے میں نظریہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں گنگوہی صاحب کے سوا سچ نگار مولوی عاشق الہی میرٹھی نے اپنی دیوبندی برادری کی ترجمانی کا فریضہ لیں ادا کیا ہے۔

جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و غافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ لے

گگھڑوی صاحب بے ذوق لوگوں کا تو ذکر ہی کیا لیکن اسی صاحب ذوق سے پوچھنا کہ
 — اپنی رحم دل گورنمنٹ — کمپنی کے امن و غافیت کا زمانہ — ان لفظوں کے
 کے اندر معافی کے جو اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کا لحاظ رکھتے ہوئے انگریز بہادر کے ان
 پجاریوں کو حکومت کا مخالف اور ان کے مخالفوں کو خواہ مخواہ بغیر کسی ثبوت کے برٹش گورنمنٹ
 کا ایجنٹ بتانے سے مصنف صاحب کو کچھ تو شرم آجانی چاہیے تھی۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں
 کو اگرچہ انگریزوں نے اپنے ظلم و جور کی چکی میں پس رکھا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی اگرچہ نواب
 سراج الدولہ اور سلطان ٹیمپو شہید جیسے ملت اسلامیہ کے سپہوں کی قاتل سہی لیکن جعفر و صادق
 کی ڈگر پر چلنے والوں کے لیے تو رحم دل گورنمنٹ ہی تھی اور اُس کا دور حکومت ایسے غداروں،
 ملت اسلامیہ کے برخواستوں کے لیے تو امن و غافیت ہی کا زمانہ تھا — کاش! چند روزہ زندگی
 کے آرام و راحت اور رقم تر کے عوض وہ حضرات اپنے دین و ایمان کا سودا کرتے اور
 مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ نہ لگاتے جو تاحال بجھنے میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ
 اور بھڑکتی جا رہی ہے۔ پاکستان قائم ہوئے اتنی مدت گزر گئی لیکن کسی حکومت نے اس آگ
 کو بجھانے اور کنوئیں میں پڑے ہوئے اس گتے کو نکال کر کنوئیں ہانی پاک کرنے کی مطلقاً
 کوشش نہیں کی۔ بہر حال، یں فزیشی کے اس دور میں گھنساؤں کے انہی آوارہ سوج رہی تھی
 اے طاہر! جوتی اس طرف سے موت اچھی
 جس رزق سے آتی نہ پرواز میں کوتاہی

گگھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو یہ واقعہ بھی سنا دیجئے کہ ان کے مجددین
 دولت اور حکیم الامت یعنی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) سے
 ان کے کسی معتقد نے سوال کیا کہ اگر آپ کی حکومت ہو جائے تو آپ انگریزوں سے کیسا
 سلوک کریں گے؟ تھانوی صاحب کا تائیدی جواب آج تک ان لفظوں میں موجود ہے :-

میں نے کہا محکوم بنا کر رکھیں گے کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم بنا کر ہی رکھیں گے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا، اس لیے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔

تھانوی صاحب کے ان لفظوں میں کہ:۔۔۔ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔“ حقیقت نفس الامری کا کیا واضح اعتراف ہے دوسری جانب برٹش گورنمنٹ کے نمک حلال ہونے اور شکر گزاری کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ آج ہم محکوم ہی لیکن بالفرض ہماری حکومت ہو جائے تو ہم اپنے ان محسنوں، کریم فرماؤں کو بھولیں گے نہیں بلکہ انہیں ہماری عملداری کے اندر نہایت آرام و راحت سے رکھا جائے گا۔ کیا موصوف کے اس ذاتی اعتراف کے بعد بھی کسی ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ تھانوی صاحب برٹش گورنمنٹ کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے یا نہیں موصوف کے اس آرام کی کہانی کو سابق صدر دیوبند یعنی علامہ شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) کی زبانی سنئے جبکہ ۱۹۳۵ء کو علمائے دیوبند کی ایک خاص میٹنگ ہوئی کہ کانگریسی اور مسلم لیگی علمائے دیوبند میں مصالحت کروائی جائے۔ اس موقع پر طرفین کے دیوبندی اکابر کی موجودگی میں علامہ عثمانی صاحب نے یہ حیرت انگیز انکشاف فرمایا جس کی کوئی بڑے سے بڑا دیوبندی عالم بھی تردید نہ کر سکا۔ موصوف نے فرمایا تھا:۔

دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا۔

گکھڑوی صاحب: چھ سو روپیہ ماہوار ملنے کی تو کسی سے تردید نہ ہو سکی۔ یہی عثمانی صاحب کی یہ توجیہ کہ تھانوی صاحب کو اس نذرانے کا علم نہ تھا یا انہیں اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا، تو جن

حضرات کا آج بھی یہ خیال ہو ان سے پوچھیے تو یہی کہ اگر آپ کے تھانوی صاحب کو حکومت کے وظیفے کا علم نہ ہوتا تو دورانِ مہنجات یہ کیسے فرماتے کہ ہماری اگر حکومت ہو جائے تو انگریزوں کو نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔ علاوہ بریں اگر نذرانوں اور حکومت کی دیگر عنایات سے تھانوی صاحب بے خبر ہوتے اور ان کا انہیں شبہ بھی گزرا ہوتا تو کفر یہ عبارت کیوں لکھتے کہ اگر سہواً ایسا ہو جاتا تو علمائے اہلسنت کے سمجھانے بچانے کے باوجود ہرگز کفر پر قائم رہنے کا عزم بالجزم نہ کرتے۔ دریں حالات بے خبر ہونے اور شبہ تک نہ گزرنے کی بات محض تھانوی صاحب کے ظاہری تقدس کا بھرم رکھنے کی خاطر ہے۔ لہذا ان کے معتقدین کو ڈنکے کی چوٹ بتا دیجئے کہ ان کے مسلم بزرگ اور پیشوا کو برٹش گورنمنٹ کی عنایات و وظائف کا پورا پورا علم تھا اور انہوں نے وہ انتہائی المناک یعنی کفر یہ ڈرامہ حکومت کے ہاتھوں میں چوں قلم در دست کاتب ہو کر ہی کیا تھا، جس کے باعث حکومت اور تھانوی صاحب دونوں اپنی جگہ مطمئن تھے کیونکہ۔

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے، لقمے پر شاد ہے
 سینا د مطمئن ہے کہ کانٹ نکل گئی

علمائے دیوبند کے مذکورہ بالا اجلاس میں مشہور دیوبندی گاندھیری عالم اور کانگریس کی پراسرار ذیلی شاخ یعنی جمعیتہ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولوی حفیظ الرحمن صاحب سیوہاروی رامتونی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء نے تبلیغی جماعت کے مولوی محمد الیاس صاحب گاندھلوی اہلسنتونی ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء کے بارے میں علی رؤوس الاشہاد ایک المناک انکشاف بھی فرمایا تھا جو مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو۔

اس ضمن میں مولانا حفیظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھوہیو ملتان تھا پھر بند ہو گیا۔

گنگوڑی صاحب! دیوبندی حضرات کے کلیہ الامت جناب تھانوی صاحب

اور ان کے نزدیک صحابہ کی یاد تازہ کرینے والے اور تبلیغی جماعت کے بانی جناب کا نذہوی صاحب کے تقدس کی جو تصویر آپ کے سامنے آئی ہے اس کے پیش نظر باب جنت کے مصنف کو یہ شعر تو سنا دیجئے :-

چھوٹا نہیں شراب کو بھی بے وضو کیے

قالب مرے میں روح کسی پارسا کی ہے

موجودہ دیوبندی علماء کہا کرتے ہیں کہ مانا ہمارا اکثر اکابر نے قیام پاکستان کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں، تحریک پاکستان کو کمزور کرنے پر ایڑھی چوٹی کا زور لگایا، اپنی تمام تر صلاحیتیں بُت پرستوں کے قدموں پر نچھاور کیں اور بُت پرست نوازی کے بین الاقوامی ریکارڈ بھی قائم کیے لیکن ہمارے دو چار عالم ایسے بھی تو ہیں جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور ہمارے علامہ عثمانی نے جمعیتہ الاسلام اسی لیے قائم کی تھی۔

اس امر کا ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی چند دیوبندی علماء نے مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان کے اندر بھرپور حصہ لیا تھا۔ لیکن اس مرحلے پر یہ دیکھنا ہو گا کہ انہوں نے حصوں کیوں لیا تھا۔ اپنے سارے بُت پرست نواز ٹولے کو چھوڑ کر چند دیوبندی مولوی قیام پاکستان کے حامی کیوں بنے؟ اس کا جواب مذکورہ اجلاس میں اکثر علمائے دیوبند کی موجودگی میں مولوی حفیظ الرحمن صاحب سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کے یوں دیا تھا جسکی وہ قطعاً تردید نہیں کر سکتے تھے :-

مولانا حفیظ الرحمن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیتہ العلماء اسلام حکومت

کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیتہ العلماء کے سلسلہ میں

دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا، جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم

ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پورٹیکل ڈیپارٹمنٹ

آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدیدار سے ملے جن کا نام بھی قدسے شبہ کے ساتھ بتلایا

گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیتہ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے

ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں گفتگو کے بعد ملے ہوئے گورنمنٹ ان کو کافی امداد

اس مقصد کے لیے دے گی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سجانی صاحب کے حوالے بھی
 کر دی گئی۔ اس دپیہ سے گلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفیظ الرحمن صاحب نے کہا کہ یہ
 اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کر دے سکتے ہیں۔
 گلکھڑوی صاحب! اب تو باب جنت کے مصنف پر کائنات دیوبندیت کے چودہ
 طبق روشن ہو گئے ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ کے ہوائے تو وظیفوں اور نذرانوں کی خاطر
 دین و ایمان فروخت کر دیا۔ ہندو پرستی اور زنا و دوستی کا نشر چڑھا تو لقمہ تر کے لئے اور
 مسلم لیگ کی ہمنوائی کا دم بھرا تو صرف پیٹ شریف کی خاطر گویا ان حضرات کے پاس دین و
 ایمان ہی ایک زائد از ضرورت چیز تھی جس کو چند سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت
 کے بدلے جو خریدنا چاہتا وہ خرید سکتا تھا۔ یعنی
 ایمان بیچنے پر ہی وہ سب تلے ہوئے
 لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاڑے

گلکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں باب جنت کے مصنف کو یہ بتا دیجئے کہ برٹش
 گورنمنٹ نے اپنے مقصد کے علماء کی کھلیپ دہلی کالج سے مولوی سلوک علی نانوٹوی (الستونی
 ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء کی سرکردگی میں تیار کروائی تھی۔ حکومت کی مشینری کے جتنے پُرزے اس
 ورکشاپ سے ڈھل کر تیار ہو جاتے انہیں حکومت جہاں مناسب سمجھتی فٹ کر دیا کرتی تھی۔
 جب ان میں سے چند حضرات سرکاری ملازمت سے فارغ ہوئے تو انہیں بیکار نہ رہنے
 دیا بلکہ ان کے ذریعے علی گڑھ کالج کی طرح دہلی کالج کی دوسری شاخ مدرسہ دیوبند کے نام
 سے کھلے میدان میں ایک انار کے درخت کے نیچے قائم کر دی تاکہ مدرسہ اور بوقت ضرورت
 کام آئے۔ ملک کے اندر اس وقت بھی ہزاروں دینی مدارس موجود تھے لیکن کھلے میدان میں انار کے
 درخت کے نیچے قائم ہونے والا مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ ازہر کے بعد دنیا بھر سے بڑا دینی مدرسہ
 طرح ہو گیا؟ اہل قلم حضرات کو اس کا تجزیہ کرنا ہو گا اور ان اسباب و علل کو منظر عام پر لانا ہو گا
 باعث یہ مدرسہ قطرہ سے دریا بن گیا ہے۔

گکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو یہ بھی بتا دیجئے کہ مدرسہ دلیو بند
 کے بانیوں میں مولوی محمد قاسم نالوتوی (المتوفی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۹ء) اور حاجی عابد حسین صاحب
 کے علاوہ دلیو بندی حضرات کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب (المتوفی ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)
 کے والد مولوی ذوالفقار علی دلیو بندی (المتوفی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) بھی تھے۔ پہلے بریلی کالج میں
 پروفیسر تھے اور اس کے بعد ڈپٹی انسپٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ موصوف اس عہدے
 سے ریٹائر ہو کر مدرسہ دلیو بند کے قیام کی تجویز میں شامل ہو گئے تھے، جس کے قائم کرنے کا
 متواتر کئی حضرات کو الہام ہو رہا تھا۔

اسی طرح علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) کے والد مولوی
 فضل الرحمن صاحب کا شمار بھی اس مدرسے کے بانیوں اور چلانے والوں میں ہے۔ یہ صاحب بریلی
 میں ڈپٹی انسپٹر مدارس تھے اور اسی عہدے سے ریٹائر ہو کر بانیان مدرسہ دلیو بند میں شامل ہو گئے
 تھے۔ ان جملہ حضرات کو پے در پے الہام ہو رہا تھا کہ جلد از جلد ایک دینی مدرسہ قائم کر دو خواہ
 خواہ وہ انار کے درخت کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔ بس قائم کرنا تمہارا کام اور اسے یام فلک تک
 پہنچا دینا ہمارا کام ہوگا۔ ذرا تم قائم کر کے دیکھو تو سہی کہ ..

ہمارا کام ہو جائے تمہارا نام ہو جائے

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اس مدرسے کا سب سے پہلا صدر مدرس جن صاحب کو مقرر فرمایا گیا وہ دہلی کالج کی بڑی
 درکشاپ کے جنرل مینجر مولوی ملوک علی نالوتوی کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب نالوتوی (المتوفی
 ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تھے۔ یہ صاحب شروع میں اجیر کالج کے اندر تدریسی فرائض انجام دیتے
 رہے اور اس کے بعد بنارس، بریلی اور سہارن پور میں ڈپٹی انسپٹر مدارس تھے۔ اسی عہدے
 سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اور سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے پر یہی سوچا گیا کہ الہامی
 مدرسے کے لیے ان سے بہتر اور مدرس کون مل سکتا ہے؟ لہذا کھلے میدان میں قائم ہو کر والے
 مدرسہ دلیو بند کا پہلا مدرس ایک اتنا بڑا سرکاروں اسر بڑا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ متحدہ ہندوستان
 کے باشندے ان دنوں ڈپٹی انسپٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہونے والوں کو کالے پادریوں

کہا کرتے تھے۔

جب برٹش گورنمنٹ نے اپنے تربیت یافتہ افراد سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا تو کچھ عرصہ کے بعد ایک خاص معتمد کے ذریعے معائنہ کروایا گیا، تاکہ یہ جائزہ لیا جائے کہ جس مقصد کی خاطر یہ مدرسہ قائم کر دیا تھا وہ حاصل ہو رہا ہے یا نہیں۔ پتہ پتہ معائنہ کرنے والے مسٹر پامر

کی کہانی پروفیسر محمد یوب قادری دیوبندی کی زبانی سنئیے۔

اس مدرسہ نے یونائیٹڈ ماسٹری کی ۳۱ جنوری ۱۹۶۹ء بروز یکشنبہ یونیٹڈ گورنمنٹ

کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسٹر پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے

خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں:۔ جو کام ٹھے

بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے خرچے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں

میں ہو رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ مدد و معاون سرکار ہے۔ یہاں

کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ

واسطہ نہیں۔ کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تعلیم نہ ہوتا ہو۔ صاحب مسلمانوں

کے لیے اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں بنو سکتی اور میں تو یہ بھی کہہ

سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو خالی نفع سے نہیں لے۔

گلکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو اب تو سمجھا دیکھئے کہ جو مدرسہ کالے

پادریوں نے قائم کیا۔ جس کے بارے میں خود انگریزوں نے اعتراف کیا کہ یہ مدرسہ مدد و معاون

سرکار ہے یعنی برٹش گورنمنٹ کے استحکام اور جڑیں مضبوط کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ جس

کے اکابر نے ۱۸۵۹ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی، اپنی تمام جہد دیاں الیٹ

انڈیا کمپنی سے وابستہ رکھیں بلکہ انگریز کی حمایت میں حریت پسندوں سے برسر پیکار بھی ہونے

جنہوں نے کمپنی کے عہد حکومت کو امن و عافیت کا زمانہ بتایا۔ جو اپنے آپ

کو سرکار کا وفادار بتاتے اور منواتے رہے۔ جو خود یہ اعلان کرتے رہے کہ اگر ہماری حکومت

ہو جائے تو ہم انگریزوں کو نہایت آرام و راحت سے رکھیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔ جو انگریزوں سے ہزاروں روپیہ سالانہ بطور نذرانہ وصول کر کے تخریب دین و افتراق بین المسلمین کا ظالمانہ کھیل کھیلتے رہے۔ ایسے لصوص دین کا محاسبہ کرنے والا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچنے کی تلقین کرنیوالا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کی طرح اپنے دور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ

اور سرمایہ ملت کا نگہبان تھا۔ کیا سلامیان بند کے اس عظیم الشان محسن یعنی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دشمنی رکھنا، ان پر جھوٹے الزام عائد کرنا محسن کشی کی بدترین مثال اور حق و صداقت کے خلاف محاذ بنانا ہے یا نہیں؟ گکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں باب جنت کے مصنف سے یہ بھی پوچھ لیجئے کہ رہنماؤں کو رہنماؤں کو رہنما بنانے کا باب جنت ہے یا باب جہنم؟

۵۔ وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدد کے سینہ میں غار ہے
کے چارہ جوئی کا دار ہے، یہ وار وارے پار ہے

رابعاً۔ باب جنت کے مصنف نے بڑے مطراق سے یہ بھی لکھا ہے: "مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع برید کر کے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا تھا۔"

گکھڑوی صاحب! ذرا اس میں مارخان مصنف کو بتا دیجئے کہ مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے حرمین کے سامنے اکابر دیوبند کی صرف عبارات ہی پیش نہیں کی تھیں بلکہ ان کی متعلقہ کتابیں بھی پیش کر دی تھیں۔ بلکہ براہین قاطعہ کے متعدد نسخے تو وہاں ۱۲۰۴ھ اور خصوصاً ۱۲۰۶ھ سے موجود تھے جبکہ تقدیس الوکیل پر تقاریر لکھی گئی تھیں۔ نیز علمائے حرمین قبل ان ہی فاضل بریلوی سے آشنا تھے کیونکہ ۱۳۱۶ھ میں ان حضرات نے آپ کے رسالہ فتاویٰ الحرمین برجف مدوۃ المین پر تقریریں لکھی تھیں اور اسی وقت سے آپ کے علمی تبحر اور درجہ اہمیت کے باعث ان میں سے متعدد حضرات کے شیدائی اور زیارت کے لیے سراپا شتیان

ہوئے بیٹھے تھے۔

بالفرض یہ کچھ بھی نہ ہوتا تو بقول مصنف صاحب جب اعلیٰ حضرت نے اکابر دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کر کے علمائے مکہ مکرمہ کی خدمت میں پیش کیں اور وہ حضرات فاضل بریلوی کے فتوے کی تائید میں دھوم دھام سے تقریظیں لکھو بے تو دیگر اکابر دیوبند کے ساتھ انبٹھوی صاحب کی گردن بھی تو تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی اور انبٹھوی صاحب مکہ مکرمہ میں بغض نفیس کو جو دیتے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن سامنے ہو کر ایک لفظ بھی کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اگر اعلیٰ حضرت نے قطع و برید کی تھی تو انبٹھوی صاحب کیوں نہ چھپا رہے تھے؟ خدا لگتی کہنا نتیجہ کیا سامنے آتا ہے؟ سچا آدمی نہ چھپاتا ہے یا جھوٹا ہے۔

جناب عالی! اگر اکابر دیوبند کی عبارتوں میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا بھی قطع و برید سے کام لیا ہوتا اور مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی کو اس کے بہتر موقع زندگی میں اور کب ملتا؟ وہ ایک لمحہ توقف کیے بغیر علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے اعلیٰ حضرت کی قطع و برید کو نظر کر کے پوری دیوبندی قوم کا قرضہ چکا دیتے کیونکہ ایسی حالت میں علمائے مکہ مکرمہ کی نگاہوں میں فاضل بریلوی ایک کوڑی کے بھی نہ رہتے بلکہ وہ متحدہ ہندوستان میں اگر اہل علم کو کبھی منہ نہ دکھا سکتے۔

ایسا کیوں ہوتا جبکہ یہ محض الزام تراشی اور بہتان بندی ہے جبکہ صورت حال اس کے سراسر برعکس ہے جس کے باعث علمائے مکہ مکرمہ سے منہ چھپا کر انبٹھوی صاحب ۲۶ ذی الحجہ کو راتوں رات مکہ معظمہ سے ایسے بھاگے کہ جہدہ جا کر دم لیا جیسا کہ قاضی مکہ مکرمہ اور سابق مفتی اجناس شیخ صالح کمال ملی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب گرامی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ علمائے مکہ مکرمہ کے درمیان ۲۴ صفر ۱۳۲۳ء تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں۔ شاید مصنف صاحب کے نزدیک حق کا یہی خاصا ہوکا کہ وہ اطا کے سامنے آنے سے ڈرے اور موقع ملے تو راد فرار اختیار کر جائے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک جَاءَ الْحَقُّ نَزْهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا کا بھی یہی مفہوم ہو۔

۵ مولوی دین میں کہہ بھاگ خدا لگتی کچھ
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خامساً۔ مصنف صاحب نے یہ بھی لکھا ہے :- جب اکابر علمائے دلیو بند کو اس
سکارتی کا سلم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد
لکھ کر علمائے حرمین اور شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وہ پڑھ کر خاں صاحب بریلوی
پر صد نفرین کی۔

گکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کی اس جب پر تو مارے خوشی کے
شیطان بھی جھوٹے لگا ہو گا۔ گویا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر جب
کہ معظمہ کے علمائے کرام تقریظیں لکھ رہے تھے تو اس وقت وہاں گویا مولوی خلیل احمد صاحب
انبٹھوی تو تھے ہی نہیں بلکہ انبٹھ سے کوئی چھلا وہ گیا ہوا تھا یا انبٹھوی صاحب کا ہمزاد۔ ایسے
ہی مواقع پر تو کہتے ہیں کہ ”چہ دلاور است ذردے کہ بلف پراغ درد“ شاید عارف روم،
مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی فنکاروں کے بارے میں فرمایا ہے :-

۵ چوں قلم در دست غدارے بود

لاجرم منصور بر دارے بود

گکھڑوی صاحب! ذرا مصنف صاحب کی عقل کے ناخن تو لیجئے کہ جس مقدس سر زمین
پر اللہ کے حرم میں حق و باطل کا فیصلہ ہو رہا تھا، دیگر اکابر دلیو بند کے ساتھ خود انبٹھوی صاحب
کی گردن تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی وہاں علمائے مکہ مکرمہ سے کسی ایک کے رو برو ہونے اور
اکابر دلیو بند کی کفریہ عبارات کی صفائی یا کم از کم اپنی ہی عبارت کے بارے میں ایک لفظ تک کہنے
کی جرأت نہ ہوئی۔ کہتے کیا جب کسی عبارت میں اسلامی معنی کی رمت تک نہیں ہے۔ ان صاف
صریح کفریہ عبارتوں میں چونکہ اسلامی پہلو کا نشان تک نہیں اس لیے انبٹھوی صاحب بیچارے
لب کشائی کی جرأت کرتے کرتے بہ لہذا چھپنے میں خیریت سمجھی ورنہ کفریات سے توبہ کرنی
پڑتی اور یہ منظور نہیں تھی کیونکہ وظیفے بند ہو جاتے اور چند روزہ زندگی نہایت آرام و

راحت سے نہ گزرتی اسی لیے راتوں رات مکہ مکرمہ سے ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دم
دبا کر بھاگ آئے۔

یہاں آنے پر برادری کے اکابر جمع ہوئے، سر جوڑ کر بیٹھے کہ اس ذلت و رسوائی
کا داغ مٹانے، اہل حق کے خلاف شور مچانے، حق کو باطل اور باطل کو حق بتانے،
حکومت سے پوری طرح یاری نبھانے اور بے خبر لوگوں کو اپنا بھرم دکھانے کی خاطر گھر
میں بیٹھ کر الہند لکھنے کا منصوبہ بنایا کہ اپنے توہمات پر اندھے مقلد ہو کر آمین کہتے
ہی رہتے ہیں دوسرے بے خبر لوگوں کی آنکھوں میں پوری جرأت سے دھول ڈال دی
جائے۔ لہذا انبھومی صاحب نے کفر فرودشوں کے مشورے سے اس شعبہ کے کویوں
مرتب کیا۔

۱۔ کام چلانے کے لیے متعلقہ اور غیر متعلقہ پچیس سوالات خود گھر سے اور تاثر دیا
کہ گویا علمائے حرمین شریفین نے ان سے پوچھا ہے۔

۲۔ ان سوالوں کے اپنے مذہب اور اپنے اکابر کی تصریحات کے خلاف جواب لکھتے تاکہ
دیکھنے والے عربی علماء کو یہی تاثر ملے کہ یہ بیچارے شاید سنی خفی ہی ہوں گے اور ان
مسکینوں پر کسی نے ظلم کیا ہے کہ انھیں سنی نہیں ملتے بلکہ اسلام سے خارج بتاتے اور کافر
و مرتد کہتے ہیں۔

۳۔ یہ غیر متعلقہ سوال جواب کا پلندہ غیر متعلقہ آدمیوں کے ہاتھوں ان ہندوی علماء تک
پنچا یا گیا جو منافقین مدینہ کی طرح علمائے مکہ مکرمہ کے درمیان تقبیہ کی آڑ میں گزارا کر رہے تھے۔

۴۔ منور علی اینڈ کمپنی کا جب کوئی مضموم یا ناسب الحرم وغیرہ ایسے عربی یا پیردلیسی عالم کو
دیکھتا جو کفر فرودشوں اور ان کی تکفیر کے معاملے سے بے خبر ہوتا تو سوال جواب کا وہ پلندہ
اس کے سامنے رکھ کر دوچار لفظ لکھوا لیے جاتے اور اُسے منقنات سے شمار کر لیا جاتا
کیونکہ اس بھری دنیا میں صورت حال سے کوئی بھی باخبر عالم قطعاً اکابر دلیوبند کی تائید کرنے
کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ کافر گرمی کے اس علی الاعلان کاروبار اور ملت اسلامیہ کی بے کسی پر
سرد آہیں بھرتے اور خون کے آنسو بہاتے تھے۔

لکھڑوی صاحب! باطل خواہ کتنا ہی زور کیوں نہ باندھے، وقتی طور پر خواہ کتنی ہی تند و تیز آندھی کیوں نہ چلائے لیکن آخر کار ایک روز اُسے منہ چھپانا پڑتا ہے۔ جتن کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہیں رہتی بلکہ دم دبا کر بھاگنا ہوتا ہے۔ رہی باطل پرستوں کی کاٹیں کاٹیں تو اس سے آج تک یہود و نصاریٰ، ہنود و مجوس اور کیمونسٹ تک بھی باز نہیں آئے۔ ان میں سے ہر جماعت حقانیت کی مدعی ہے اور اپنے ماسوا کو بھٹکے ہوئے قرار دیتی ہے لیکن ان کے مزعومہ دلائل بھی حق و صداقت سے ایسے ہی دور ہوتے ہیں جیسے المہند کی جعل سازی۔ دریں حالات باب جنت کے مصنف سے پوچھتے تو سہی۔۔

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی کی تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی عالم نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ فاضل بریلوی نے ہمیں دھوکا دیا تھا؟
 ۲۔ تصدیق کرنے والے کسی عالم نے ایسی کوئی تحریر دی کہ حکم تکفیر میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے؟

۳۔ کیا فاضل بریلوی کی تائید کرنے والے کسی عالم نے المہند کی تصدیق و تائید کی ہے؟
 ۴۔ اپنی باقی بائیس سالہ زندگی میں کیا ابھٹھوی صاحب تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی عالم سے اپنی حمایت اور فاضل بریلوی کے خلاف ایک عبادت بھی حاصل کر سکے؟
 ۵۔ ان کا المہند ٹھکانا صاحب بریلوی پر صد نفریں کرنا تو بہت دور کی بات ہے، کیا تصدیق کرنے والے کسی بھی عالم کی ایسی عبارت دکھائی جاسکتی ہے جس کے اندر اُس نے فاضل بریلوی پر نفرین کی ہو؟ مَاتُوا بَرِّهَانَكَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ . فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاَتَّقُوا النَّاسَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَابُ اَعْدَتْ لِكُفْرِيْنَ

اگر مصنف صاحب ایسی ایک بھی تحریر نہ دکھاسکیں اور ہم انہیں ڈنکے کی چوڑ سناٹے دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری زندگی میں ایسی ایک بھی تحریر نہیں دکھاسکیں گے اور نہ ان کا کوئی ہمنوا وہم خیال ہی دکھاسکے گا تو ان حالات میں غور کرنا چاہیے کہ المہند کی اس شعبہ بازی کا حسام الحرمین پر کیا اثر پڑا؟ کیا حسام الحرمین کی چمک دمک ذرا بھی متاثر ہوئی؟ کیا اس کی صداقت و حقانیت پر کوئی بُرا اثر پڑا؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو ان حالات میں ہم باب جنت

کے مصنف اور مجملہ دیوبندی علماء نے اُن کے بھلے کی خاطر عرض گزار ہیں کہ خدا کے بندو !
 حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت سے باز آ جانا چاہیے کیونکہ دارین کی بھلائی اسی میں ہے
 سی کے پیچھے خواہ مخواہ لگ کر اپنی عاقبت برباد کر لینا، ابدی عذاب خریدنا، جہنم کا ایندھن بننا
 آخر کہاں کی عقلمندی اور کونسا سود مند سودا ہے ؟

۷ انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چرخ میرے رات ان کی
 انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری سچا بات اُن کی

سادماً - باب جنت کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے :- "اس (المہند) کے بعد حرین
 عرب وغیرہ مالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی برگز تکفیر نہیں کی۔ اگر ہے مفتی صاحب
 دم تو اس کے بعد کے علماء عرب کے دو چار فتوے وہ ہمیں دکھا دیں مفتی صاحب
 رضیہ تھا کہ علمائے حرین اور عرب کی المہند علی المہند کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور
 یہ بھی سمجھتے ہیں تو بتا دیں۔"

گنگھڑوی صاحب ! ذرا مصنف صاحب کو تباہی تو سہی کہ جب المہند کی شعبڈ بازی
 سام الحرمین پر ذرا بھی اثر نہیں پڑا تو وہ ایسے مجموعہ بیبیات کا کس وجہ سے فخر یہ ذکر
 ہے ہیں ؟ وہ ایسی رسوائی زمانہ تصنیف کا نام لیتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں ؟ جب
 نام الحرمین کی تقریظیں اسی چپک دمک کے ساتھ موجود ہیں تو علمائے حرین مزید فتوے کس
 لیے جاری کرتے ؟

اگر مصنف صاحب کا یہ خیال ہے کہ المہند کی طباعت کے بعد علمائے حرین شرفین
 اللہ و رسول کو گالیاں دینے والے ان علمائے دیوبند کو کافر کہنا چھوڑ دیا تھا اور انہیں
 مسلمان جاننے لگے تھے جس کے باعث ان کے نزدیک ایسی کوئی عبارت نہیں دکھائی جا
 سکتی کہ المہند کے بعد بھی علمائے حرین نے علمائے دیوبند کو کافر سمجھا اور کہا جو تو مصنف
 صاحب کی یہ خوش فہمی ہے اور انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ بفضلہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت
 میں ایسی عبارتیں دکھانے کا دم خم ہے اور سب سے بڑا انشاء اللہ تعالیٰ۔

گکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا پوچھ لیجئے کہ اگر الہند کی طباعت سے بعد کی ایسی دوچار عبارتیں یا دوچار فتوے دکھا دیئے جائیں تو وہ عظمتِ خداوندی اور شانِ عظیمی پر حملہ آور ہونے والے اپنے اکابر کو علمائے حرمین کی طرح کافر و مرتد مان لیں گے۔ اگر مصنف صاحب تحریری طور پر ایسا وعدہ کر لیں تو ہم ان کے اس مبارک ارادے کے پیش نظر مطلوبہ تعداد سے زیادہ عبارتیں اور فتوے بھی دکھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اب دیکھتے ہیں کہ مصنف صاحب کی انصاف پسندی کا اونٹ کس کڑوٹ بیٹھتا ہے، انصاف کی طرف آتے ہیں یا گنگو ہی صاحب کی قبر پر سائب اسٹینجی پکانے جاتے ہیں

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اُچھلتا ہے کیا
گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

سابعاً۔ اگر علمائے حرمین کے سامنے علمائے دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کر کے پیش کی گئی تھیں اور انہوں نے بغیر تحقیق کیے، آنکھیں بند کر کے تائید و حمایت میں تقریظیں لکھ دیں کہ واقعی فلاں فلاں حضرات کافر و مرتد ہیں تو اس صورت میں علمائے حرمین کے تعویذ و طہارت اور ان کے فتوؤں کی کیا قیمت رہ جاتی ہے، آخر ان مقدس سیتوں کو کس خوشی میں علمائے دیوبند پر قیاس کیا جا رہا ہے، کیا وہ حضرات دین و دیانت اور رسم المفتی سے اتنی غامی تھے کہ تکفیر جیسے نازک ترین مرحلے پر بھی انہوں نے ذاتی طور پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور محض کسی کے کہنے پر دوسروں کو کافر و مرتد قرار دے دیا۔ مصنف صاحب! ایک روز آپ نے بھی مرزا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کی باگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ وہاں اگر ان حضرات نے آپ کو گریبان سے پکڑا اور بارگاہِ رب العالمین سے انصاف کے طلب گار ہوئے تو وہاں بھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا المہند جیسا

۱۰ دیوبندی حضرات کے شیخ الہند، مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے پیر جتیا گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا ہے:

تمہاری تربت نور کو دے کر طور سے تشبیہ

یکارا لہذا رنی امری دیکھی بھی نادانی

کوئی شعبہ آپ حضرات نے ایجاد فرمایا ہے ؟

جب سر مشر وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے

کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

ثامنًا۔ مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے فتوائی تکفیر کی ۱۳۲۳ھ

میں علمائے حرمین نے خود انبٹھوی صاحب کی موجودگی میں تصدیق و تائید فرمائی اور تقریبات

لکھیں۔ اگر ان عبارتوں میں قطع و بُرید کی گئی ہوتی تو انبٹھوی صاحب کو سائب نہیں سواند

گیا تھا کہ اس کا رگزاری کے خلاف بولنے سے مجبور ہو گئے تھے۔ چلیے اس وقت نہ سی

کہ شرا گئے ہوں گے تو اس کے بعد وہ بائیس سال اور تھانوی صاحب اُنتالیس سال زندہ

رہے۔ اتنے عرصے میں علمائے حرمین سے اس قطع و بُرید کے بارے میں کوئی ترمیم کیوں

حاصل نہ کی کیا ہر منصف مزاج کو یہ صاف نظر نہیں آتا کہ علمائے دیوبند نے اپنے بڑوں کا

بھرم رکھنے اور جہلا کو درغلانے کے لیے یہ بے پر کی اڑائی ہوئی ہے جس کی تحقیقت بس یہی

ہے کہ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۵

تاسعاً۔ چلیے یہ دونوں حضرات حرمین شریفین تک نہ گئے تو امام احمد رضا خاں بریلوی

رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۳۳۰ھ میں ہوا تھا۔ ان سولہ سترہ سالوں میں انبٹھوی صاحب یا تھانوی

صاحب کم از کم ایک مرتبہ تو اس محمودی کچھار کے شیر کو منہ دکھاتے، روبرو ہونے کی جرأت

کرتے اور جو قطع و بُرید کی گئی تھی اُسے میدانِ مناظرہ میں آکر ظاہر کرتے کم از کم ہمیں اس بات

کا آج تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ ان دونوں حضرات نے جیتے جی کبھی ایسی جہالت کوئی

مظاہرہ کیا ہو۔

عاشرًا۔ چلیے مردانگی کی بھی جانے دیجئے۔ کیا ان دونوں حضرات نے گورہ

کر، کسی گوشے میں چھپ کر، اپنی کسی کتاب کے اندر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انار

خاں بریلوی نے اکابر کی فلاں عبارت میں یہ قطع و بُرید کر دی تھی یہ عبارت

تو یہ تھا اور کاٹ چھانٹ کر کے وہ بنا دیا۔ یقیناً دونوں حضرات اپنی زندگی میں ایسا ایک بھی ثبوت ذرا ہم نہیں کر سکے۔ ہاں ان کے پجاری حق پر پردہ ڈالنے اور جھلار کو بہکانے کی خاطر اسی وقت سے بے پرکی اڑاتے چلے آئے ہیں۔ دریں حالات۔

کے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

دیوبندی ڈرامہ۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ایک سائل کے سوالات

کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

پھر یہ کہ آپ (حضور) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و جنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے تو چاہیے سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ میں شمار کیا جاتا ہے؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبویہ کب ہو سکتا ہے اور التزام نہ کیا جائے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس پر شرمناک و ایمان سوز حملہ کرتے ہوئے انتہائی گندی گالی دی ہے۔ شان رسالت میں موصوف کی یہ انتہائی گستاخانہ عبارت دیکھ کر پورے ملک کے علمائے کرام سراپا احتجاج بن گئے۔ تھانوی صاحب کو خوف خدا اور خطرہ روز جزا سے لاکھ ڈرایا لیکن موصوف کے کان پر جوں تک نہ چلے۔ جہاں اس عبارت کا کوئی اسلامی محل بتانے سے عاجز رہے وہاں تو بہ کرنے اور

۱۶ حفظ الامیان، مطبوعہ نامی پریس لاہور، ص ۱۶

اسے بدل کر اسلامی بنالینے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھایا۔ گھر میں بیٹھ کر جیتے جی اس فتنے کی آگ کو بھڑکاتے رہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے میدان میں پالتو بھیر چھوڑ دیئے تھے جو اہل علم حضرات سے برسہا برس پیکار ہو کر چونچیں لڑاتے رہتے تھے۔

مذکورہ ڈبیروں کا پہلا ڈرامہ پیش کرنے سے پہلے مذکورہ عبارت کے بارے میں ہم یہ

وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس عبارت میں تھانومی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) بعض غیب (۲) کل غیب۔ کل غیب کے متعلق تھانومی صاحب نے لکھ دیا کہ اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ لہذا حضور کے لیے کل غیب ثابت کرنا تو باطل ہو گیا، اب حضور کے لیے ثابت رہا تو بعض غیب۔ اب تھانومی صاحب نے حضور کے لیے جو بعض غیب خود مانا، اس کے متعلق صاف کہہ دیا کہ اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ ایسا علم غیب تو بچوں پاگھوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

یہ ہے اس گستاخانہ ایمان سوز اور کفریہ عبارت کا وہ صریح مفاد جو ہر منصف مزاج

قاری کے ذہن میں آتا ہے اور عبارت سے یہی مفہوم برآمد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ کفر پر پردہ ڈالنے کا خارجی دھندہ اور عوام الناس کو شکار کرنے کا پراسرار پھندا ہے، جس کیلئے تھانومی صاحب نے حکومت کے خرچ پر پہلو ان پال رکھے تھے جو علمائے اہل حق سے کشتی لڑنے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مذکورہ پہلو انوں کے پاکستان میں بنگلہ نشین عبارات اکابر کے مصنف صاحب ہیں۔ موصوف نے حفظ الایمان کی عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی غرض سے مذکورہ عبارت میں وارد لفظ ایسا کے امیر اللغات اجلد دوم صفحہ ۳۰۲ سے تین معانی پیش کر کے لکھا ہے:۔

لفظ ایسا سے اس قسم کا یا اس قدر یا اتنا کوئی معنی مراد لیں۔ اس کے پیش نظر

حضرت تھانومی کی مذکورہ عبارت بالکل بے غبار اور بے داغ ہے اور

انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز کوئی توہین نہیں کی۔ لہ

عبارات اکابر کے مصنف کا دعویٰ ہے تھانوسی صاحب کی عبارات کے لفظ ایسا
 کا ان تینوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے تو اس کے مطابق حفظ الایمان کی عبارت بے غبار
 اور بے داغ ثابت ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تھانوسی صاحب نے حضور کی ہرگز
 توہین نہیں کی۔۔۔ موصوف نے ان معانی کے باعث عبارت کے بے غبار ہونے کی
 دلیل تو ایک بھی پیش نہیں کی بلکہ صرف بے غبار ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے ہاں اتنا ضرور
 کیا کہ مولوی محمد منظور نعمانی دیوبندی کے امیر اللغات والے مغالطے کو فیصلہ کن مناظرہ سے
 عبارات اکابر میں نقل کرنے کا جو ہر دکھا دیا اور حکم فرما دیا کہ ساری دنیا حفظ الایمان کی
 عبارت کو آنکھیں بند کر کے بے غبار تسلیم کر لے اور جو ایسا نہ کرے وہ بریلوی ہے دشمن
 دین و ایمان ہے، ہٹ دھرم ہے، انگریز کا پٹھو ہے۔ موصوف کے اس بے دلیل دعوے
 کے باعث پیش کردہ تینوں معانی کے لحاظ سے مذکورہ عبارت کے فولو پیش کرتے ہیں۔۔

فولو نمبر ۱ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے،
 اس قدر علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

فولو نمبر ۲ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے اس قدر علم غیب
 تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

فولو نمبر ۳ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے
 اتنا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔
 لکھڑوی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف کے پیش کردہ تینوں معانی کی رو
 سے تھانوسی صاحب کی کفریہ عبارت کا مفہوم یوں سامنے آتا ہے:

۱. حضور کو جو علم حاصل تھا اس قسم کا علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
۲. حضور کو جو علم حاصل تھا اس قدر علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔

۳. حضور کو جو علم حاصل تھا اتنا علم غیب تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
 جب عباراتِ اکابر کے مصنف نے تخالوی صاحب کی کفریہ عبارت کے مفہوم کو
 اور بھی واضح کر دیا کہ حضور کو جو علم غیب حاصل تھا اس قسم کا، اس قدر اور اتنا علم غیب
 تو بچوں پاگلوں کو جانوروں کو بھی حاصل ہے اور اس وضاحت کے بعد تخالوی صاحب کا کفر
 بہ معمولی پڑھے لکھے شخص کو بھی آفتابِ نیمروز کی طرح واضح نظر آنے لگا کہ قسم، مقدار اور گنتی
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک علم کو بچوں پاگلوں اور جانوروں کے علم جیسا بنا کر تخالوی
 صاحب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدترین اور انتہائی گندی گالی دی ہے۔
 لکھڑوی صاحب! عباراتِ اکابر کے مصنف سے کہیے تو سہی کہ ایسی گندی گالی دے
 کر بھی اگر ان کے نزدیک تخالوی صاحب نے بارگاہِ رسالت کی توہین نہیں کی بلکہ عبارت بے غبار
 اور بے داغ ہو گئی ہے تو بندہ خدا! اتنا ہی بتا دیا جائے کہ جب آپ کے نزدیک اللہ
 اور رسول کو گالیاں دینا بھی کفر نہیں اور ایسا کرنے سے ایمان کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا
 بلکہ روحانی درجات میں ترقی ہوتی ہے تو دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں میں پلنے والوں کے
 نزدیک کفر اور کون سے جانور کا نام ہے؟
 معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ختم اللہ علی قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم
 غشاوتہ کے باعث ان صاف صریح وضاحتوں کو بھی سمجھنے سے یہ حضرات مجبور و معذور
 ہیں کیونکہ مَنْ يُضِلُّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کو نیکی گالیاں
 بھی دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں
 کیا۔ لہذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ مومنوں کے برابر سو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات
 یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو انہوں نے اَسْمَاءُ بَابَاتِنِ دُونِ اللّٰهِ بنا کر
 اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے، یہی الفاظ ان حضرات کی شان میں جاری
 کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَسْمَاءُ بَابَاتِنِ دُونِ اللّٰهِ کی توہین تو نہیں
 ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ بُرا ماننے کا حق بھی نہیں رکھتے
 کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی نہیں ہے۔

خیر آپ حضرات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو حکیم الامت اور مجدد دین و ملت کہتے ہیں کیا دین کا کل علم حاصل ہونے کی بنا پر انہیں ایسا کہا جاتا ہے یا بعض علوم دنیویہ کے باعث یہ کل علوم دنیویہ کے حصول کا تو غالباً کوئی دلیل بندہ ہی عالم بھی ان کے لیے دعویٰ نہیں کرے گا، لہذا نتیجہ یہی نکلے گا کہ تھانوی صاحب کو بعض علوم دنیویہ کے حصول کی وجہ سے ہی حکیم الامت اور مجدد دین و ملت کہا جاتا ہے۔ دریں حالات زیر اس سلسلے میں علمائے دلیویہ سے یوں سوال کرتا ہے :-

قول نمبر ۴۔ اگر بعض علوم دنیویہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس قسم کے علوم دنیویہ تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں

قول نمبر ۵۔ اگر بعض علوم دنیویہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس قدر علوم دنیویہ تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں۔

قول نمبر ۶۔ اگر بعض علوم دنیویہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اتنے علوم دنیویہ تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں۔ کیا ان عبارات کے اندر عبارات اکابر کے منصف کو تھانوی صاحب کی توہین نظر نہیں آتی جبکہ ان کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تھانوی صاحب کو جو بعض علوم دنیویہ حاصل ہیں کیا ان عبارات کے اندر عبارات اکابر کے منصف کو تھانوی صاحب کی توہین نظر نہیں آتی جبکہ ان کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ تھانوی صاحب کو جو بعض علوم دنیویہ حاصل ہیں تو اس قسم کے، اس قدر اور اتنے علوم دنیویہ تو بچوں پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں۔ یقیناً یہ عبارات گستاخانہ ہیں اور تینوں میں سے جو عبارت بھی کوئی تھانوی صاحب کے متعلق لکھے اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ تھانوی صاحب کی توہین کر رہا ہے۔

ممکن ہے کہ منصف صاحب شان رسالت کی توہین کو چھپانے اور تھانوی کے کفر پر پردہ ڈالنے کی غرض سے کہہ دیں کہ ہم ان تینوں عبارتوں میں تھانوی صاحب کی کوئی توہین محسوس نہیں کرتے تو زیادہ ان سے کہہ سکتا ہے کہ دریں حالات آپ حضرات اپنے اکابر کے متعلق یہ کیوں نہیں لکھتے۔

۱۔ ہمارے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا علم گدھے جیسا تھا۔

۲۔ ہمارے مولانا محمد قاسم صاحب نالوتوی کا علم گتے جیسا تھا۔

۳۔ ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب امبھوی کا علم کوسے جیسا تھا۔

۴۔ ہماری مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا علم اُلوجیسا تھا۔

آخر کیا وجہ ہے کہ علماء دلیوبند نے اپنے اکابر کے متعلق ایسا کبھی نہیں لکھا اور نہ کبھی ایسا لکھنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ بات صاف ہے کہ اپنے ممدوحین کے متعلق کوئی بھی ایسا نہیں لکھ سکتا اور انہیں بزرگوں کی سراسر توہین سمجھے گا۔ اگر کائنات، ارضی و سماوی کے سب سے بڑے ممدوح اور سرِ پامحمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان حضرات کے نزدیک ممدوح ہوتے اور ان کے ساتھ عقیدت کا ذرا بھی رشتہ ہوتا تو ہر بڑے سے بڑے کی محبت و عقیدت کو محبوب پروردگار کے پاک قدموں پر قربان کر دیتے کیونکہ دوسرا جو بھی قابل احترام ہے تو ان کی غلامی کے باعث ہے۔ مخلوق میں دائرہ عقیدت کے مرکز و محور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۵۔ بمصطفیٰ برسائ خویش را کہ دین همه اوست

اگر باو ز سیدی تمام بوہی ست

لکھڑوی صاحب! وضاحت کے باعث بات کچھ طویل ہو گئی۔ بہر حال عبارت اکابر کے مصنف نے بتایا تھا کہ حفظ الایمان کی مذکورہ عبارت میں واقع لفظ ایسا کے تین معانی ہیں جن میں سے ایک اتنا ہے۔ یعنی تھانوی صاحب کا لفظ ایسا یہاں اتنا کے معنی میں ہے اور اس صورت میں انہوں نے عبارت کو بے غبار اور بے داغ بنا کر کہہ دیا کہ تھانوی صاحب نے اس طرح حضور کی ہرگز توہین نہیں کی یعنی ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں شمار کیا جائے تو عبارت

میں ان کے نزدیک تو بین کا شائبہ نہیں رہتا۔

مناسب نظر آتا ہے کہ عبارات اکابر کے مصنف کو اب دیوبندی سپریم کورٹ میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ تھانوی صاحب کے کفر پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے اسی لفظ ایسا کی بحث میں دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر، جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے یوں لکھا ہے:

اس سے بھی قطع نظر کریں تو جناب یہ تو ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مولانا عبات میں لفظ ایسا فرما رہے، اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا۔ یہ محض جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

گکھڑوی صاحب عبارات اکابر کے مصنف نے تو بتایا تھا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں لیا جائے تو عبارت بے غبار اور بے داغ ہو جاتی ہے نیز اس میں تو بین شان رسالت کا شائبہ بھی نہیں رہتا۔ اس کے مقابلے میں جناب ٹانڈوی صاحب بتا رہے ہیں کہ لفظ ایسا کو اگر اتنا کے معنی میں لیا جائے تب تو بین شان رسالت ہے۔ دریں حالات صدر دیوبند کے اس فیصلے کی رو سے تھانوی صاحب کے ساتھ عبارات اکابر کا مصنف بھی شاتم رسول ہوا یا نہیں؟ کیونکہ وہ لفظ ایسا کو اتنا کے معنی میں بتا رہے ہیں۔ ساتھ ہی ٹانڈوی صاحب نے اس توجیہ کے کرنے والوں کو دارالعلوم دیوبند سے جوالت کی سند بھیجی ہے، عبارات اکابر کے مصنف کو چاہیے کہ اس سند کو سنبھال کر رکھیں تاکہ یہ بوقت ضرورت قبر و حشر میں کام آئے کیوں گکھڑوی صاحب!

۵ دن کو کہیے رات تو وہ رات ہو سکتی نہیں

جھوٹ پرے میں بھی سچی بات ہو سکتی نہیں

دوسرا ڈرامہ - مدرسہ دیوبند کے سابق ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن صاحب درہنگلی نے حفظ الایمان کی مذکورہ کفریہ عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی غرض سے اسی لفظ ایسا کے بارے میں دوسری تو جیبہ یوں پیش کی ہے :-

اگر تکفیر کی تشبیہ علم نبوی بعلم زید و عمر و سہ ہے تو یہ اسی پر موقوف ہے کہ

لفظ ایسا تشبیہ کے لیے ہو حالانکہ یہ یہاں غلط ہے اور علاوہ غلط ہونے

کے محتاج ہے حذف کلام بلکہ مسخ کلام کا۔ لہ

اسی لفظ ایسا پر اپنی تحقیق کا پختہ پیش کرتے ہوئے مولوی محمد منظور سنہجلی، ایڈیٹر الفرقان، لکھنؤ نے لکھا ہے :-

حفظ الایمان کی اس عبارت میں ایسا تشبیہ کے لیے نہیں بلکہ وہ یہاں بدوں تشبیہ

کے اتنا کے معنی میں ہے؛ لہ

درہنگلی اور سنہجلی صاحبان کی تحقیق یہ ہے حفظ الایمان کی اس عبارت میں اگر لفظ ایسا

تشبیہ کے لیے ہوتا تو عبارت یقیناً کفریہ ہوتی کیونکہ اس حالت میں اس کے اندر توہین شان

رسالت ہوتی۔ دونوں حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ ایسا یہاں تشبیہ کے لیے نہیں

بلکہ اتنا کے معنی میں ہے۔ اب تیسرے حمایتی جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی کی

تحقیق ملاحظہ فرمائی جائے :-

”اس سے بھی قطع نظر کہ یہی تو لفظ ایسا کلمہ تشبیہ کا ہے۔ لہ

لکھنؤی صاحب! اب عبادت اکابر کے مصنف سے پوچھیے کہ تھانوی صاحب

کی صفائی کے ذکیوں میں سے اگر ٹانڈوی صاحب کو سچا سمجھا جائے تو تھانوی صاحب کے

ساتھ درہنگلی اور سنہجلی صاحبان بھی شاتم رسول قرار پا کر کفر کے سمنہ میں ڈوب جاتے ہیں۔

اگر درہنگلی اور سنہجلی صاحبان کی توجیہات کو درست قرار دیا جائے تو اس حالت میں تھانوی صاحب

لہ توضیح ابیان، مطبوعہ لاہور، ص ۱۳

لہ فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۳۴

لہ الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۲

کے ساتھ ٹانڈوی صاحب بھی کفر کے سمندر میں ڈوبے ہوئے نظر آنے لگتی رہے بجائے
تخالوی صاحب تو آپ ان کے کسی بھی وکیل صاحب کی تاویل کا سہارا لیں لیکن پھر بھی
باقی وکیلوں کی توجیہات کے باعث انہیں کفر کے سمندر سے کسی صورت نکلنا نصیب نہیں
ہوتا۔ آخر کوئی وقت ایسا بھی آیا ہوگا کہ تخالوی صاحب کے یہ وکیل و حمایتی اندھیر کوٹھڑی
میں سر جوڑ کر بیٹھے ہوں گے اور یقیناً انہوں نے کہا ہوگا۔

۵ بڑی ہمت سے ہراک ڈالتا ان پر رہا پردہ
مگر پردوں سے حضرت کا تو سارا گھل گیا پردہ

گلکھڑوی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف سے کہئے کہ وہ از راہ جہد دی یا عقیدت
تخالوی صاحب کے ان حمایت کرنے والوں اور وکیلوں کی اس جوتم پیراز اور سر پھٹول کا
کوئی معقول اور شرعی فیصلہ کر کے تو دکھائیں۔ کوئی صورت بنا میں تو سہی کہ فلاں وکیل کی تاویل
سے تخالوی صاحب کفر کے سمندر سے نکل آتے ہیں یہ کیا صورت حال یہی سامنے نہیں
آئی کہ تخالوی صاحب کو کفر سے بچانے کی دُھن میں خود بھی کفر کے سمندر میں جا ڈوبے اور
آخر میں مصنف صاحب نے بھی برضا و رغبت اپنے آپ کو منجھار میں جا ڈبو یا کیوں نہ
ہو جب کہ اللہ اور رسول کے دشنامیوں یعنی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کو باز یچہ
اطفال بنانے والے کی حمایت یہی رنگ لایا کرتی ہے۔ خدا سے لڑائی مول لینے کا نتیجہ یہی
نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام اب بھی ان حضرات سے پکار پکار کر یہی کہہ رہا ہے۔

۵ بمشراگان سیر کردی ہزاراں زخم درد نیم
بیا کز چشم بیمار ت ہزاراں زخم بر چینم

تیسرا ڈرامہ۔ مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے مذکورہ عبارتِ حفظ الایمان کی صفائی میں
تیسری تاویل و توجیہ یہ پیش کی ہے۔

اس جگہ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ مقدارِ علم مغیبات میں تشبیہ مقصود ہو کیونکہ خود

تھانوی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ جملہ علوم لازمہ نبوت آپ (حضور) کو حاصل تھے۔ ۱۷
مولوی مرتضیٰ حسن صاحب درجہ بھنگلی، سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلے
میں اپنی تحقیقات کا دریا بہاتے ہوئے فرمایا ہے۔

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بے
الہی حاصل ہے۔ ۱۸

تیسرے حمایتی مولوی محمد منظور سنبھلی نے تھانوی صاحب کی بگڑھی یوں بنانے کی کوشش
فرمائی ہے۔

تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات و جمادات کو بھی مطلق بعض غیب کا علم حاصل ہے
اور یہی حفظ الایمان کی عبارت کا پہلا اہم جزو ہے۔ ۱۹

تھانوی صاحب کے یہ تینوں حمایتی اس تاویل و توجیہ میں متفق ہیں کہ سرور کون و مکان
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلق بعض علوم غیبیہ حاصل تھے۔ جملہ علوم لازمہ نبوت آپ
کو بے طائے الہی حاصل تھے، حتیٰ کہ نہ صرف حضور کے لیے بلکہ جمادات و نباتات تک کے
لیے علم غیب کا حصول تسلیم کر رہے ہیں۔ گویا اپنے آپ کو مسلمان منوانے پر آئے ہیں تو پوری
ہی لگائے کھائیں گے۔ اب ان تینوں حمایتی حضرات کو ایک طرف رکھیے۔ مناظرہ مونکر کی
روند و مسامحہ نصرت آسمانی ملاحظہ فرمائیے اور تھانوی صاحب کے مذکورہ تینوں وکیلوں
کو دیوبندیوں کے امام اہلسنت مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی کی توپ کے سامنے کھڑا
کیجئے لکھنوی صاحب نے تھانوی صاحب کے مذکورہ تینوں وکیلوں کا تھانوی صاحب کی وکالت کرتے ہوئے
یوں جھٹ پڑھایا ہے۔

جس صفت کو ہم مانتے ہیں اس کو رذیل چیز سے تشبیہ دینا یقیناً توہین ہے
اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا میں صفت علم غیب ہم نہیں
مانتے اور جو مانے اس کو منع کرتے ہیں، لہذا علم غیب کی کسی شق کو رذیل

۱۷ الشہاب الثاقب، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۰۴ ۱۸ توضیح البیان، مطبوعہ لاہور، ص ۵
۱۹ فتح بریلی کا دلکش نظارہ، ص ۸۱

چیز میں بیان کرنا ہرگز توہین نہیں ہو سکتی۔" لہ

نگھڑوی صاحب! آپ نے تھانوی صاحب کے وکیلوں کی بھانت بھانت کی بولیاں تو سن لیں لہذا اب عبارات اکابر کے مصنف سے مطالبہ تو کیجئے کہ وہ تھانوی صاحب کے ان چاروں وکیلوں کی تاویلات و توجیہات کو سامنے رکھ کر حفظ الایمان کی عبارت کو بے غبار اور بے داغ ثابت کر کے تو دکھائیں۔ چاروں کی تاویلات کو سامنے رکھ کر تھانوی صاحب کو کفر کے سمندر سے باہر تو دکھائیں۔ جب چاروں وکیلوں کی دوروزگار تاویلیں اور صفائی کے متضاد بیانات منظر عام پر آئے تو تھانوی صاحب کے جمد عقیدت مندوں نے ہمتِ بیار کے باوجود اپنی ناکامی و نامرادی کا سرخوردگیوں تاہم نہ کیا ہوگا۔

جتنے قلعے بنائے تھے مہار ہو گئے

رموائے زمانہ سر بازار ہو گئے

بندۂ خدا! جب نہ ساری عمر میں تھانوی صاحب اپنی کفریہ عبارت کو اسلامی ثابت کر سکے اور نہ ان کا کوئی حمایتی اور وکیل اُسے بے غبار اور بے داغ ثابت کر سکا بلکہ برحمانہی نے بھی بالواسطہ تھانوی صاحب کی تکفیر پر مہر تصدیق ہی ثبت کی ہے۔ دریں حالات ہم کلمہ گوئی کا لحاظ کرتے ہوئے عبارات اکابر کو یہ خیر خواہانہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں کی حمایت سے دست بردار ہو کر توبہ کر لیں اور دائرہ اسلام میں آجائیں کیونکہ اس میں دارین کی بھلائی ہے۔ اپنے استادوں یا پیروں کی ناجائز حمایت میں اللہ اور رسول کی دشمنی مول لینا، اپنے ہا محقوں اپنی عاقبت برباد کرنا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔

من آنچه شرط بلاغ ست باتومی گویم

تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

۵

کافر بنانا۔ عبارات اکابر کے مصنف نے اکابر دلیوبند کی صفائی پیش کرتے ہوئے مجدد مائتہ حاضرہ، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ مضحکہ خیز الزام بھی عائد کیا ہے

لہ نصرت آسمانی ص ۲۰

۱۔ انہوں (علمائے دیوبند) نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگزشتی توہین نہیں کی اور نہ ان کے وہم میں بھی اس کا خیال گزرا ہے مگر خاں صاحب بلاوجہ ان کو کافر بنانے پر ادعا رکھائے بیٹھے ہیں۔ ۱

۲۔ مگر خاں صاحب کاٹن ہی ان کو کافر بنانے کا تقاضا ہے۔ ۲

۳۔ حالانکہ شرعاً اور اخلاقاً ان (فاضل بریلوی) کا فریضہ تھا کہ اپنے اُس ناروا فتوے سے رجوع کر لیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کاٹن ہی یہ تھا کہ دیکھو اکابر علمائے دیوبند بہت حضرت تھانوی کو بہر قیمت کافر بنا رہے ہیں۔ ۳

جہاں تک مذکورہ بیانات کی پہلی شق کا تعلق ہے تو وہ بالکل درست ہے کہ واقعی اکابر دیوبند نے راہ کفر اختیار کر لی تھی کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول کو صاف و صریح گالیاں دیں، ان کفریہ عبارتوں کو جیتے جی بدل کر اسلامی نہیں بنایا۔ مرتے دم تک اس ظالمانہ روش سے توبہ نہیں کی اور جب تک دنیا میں ہے تو مقدس شجر اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں ہی لگاتے رہے اور یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

رہا مصنف صاحب کا دوسرا دعویٰ کہ اکابر دیوبند کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کافر بنایا تھا کیونکہ ان کاٹن ہی کافر بنانا تھا اور وہ انہیں کافر بنانے پر ادعا رکھائے بیٹھے تھے تو اس مرحلے پر ہم اپنی کوتاہ علی کا صاف لفظوں میں اعتراف کرتے ہیں ہمیں آج تک ایک بھی ثبوت ایسا نہیں مل سکا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے اکابر دیوبند کے پاس جا کر یا انہیں اپنے پاس بلا کر یا کسی کی معرفت ان سے کہا جو کہ آپ حضرات اسلام کو چھوڑ کر کافر ہو جائیں، کفر کے سمندر میں چھلانگ لگا دیں اور یوں اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنالیں۔ اسی طرح یہ بھی ہماری علمی تنگ دامانی ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی صاحب بہر قیمت تھانوی صاحب کو کافر بنانے پر تھے ہوئے تھے تو انہوں کتنی قیمت ادا کر کے تھانوی صاحب کو کافر بنایا تھا؟ ممکن ہے عبارات اکابر کے معنوں کے علم میں یہ بات جو کہ تھانوی صاحب کے

۱۔ جہاں اکابر مطبوعہ اشرف پبلس لاہور، ۱۳۹۲ھ ص ۲۱۹

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۷

۳۔ عبارات اکابر مطبوعہ اشرف پبلس لاہور، ۱۳۹۲ھ ص ۲۲۳

ایمان کی قیمت کیا تھی اور انہوں نے اپنے ایمان کو کتنے داموں میں فروخت کیا تھا؟ اگر وہ یہی بھی بتادیں تو ان کی علامہ نوازش ہوگی۔

گھڑوی صاحب! تینوں عبارتیں آپ بھی بغور ملاحظہ فرمائیں۔ آخر عبارات اکابر کے صنف صاحب یقیناً اتنے جاہل تو برگز نہیں ہوں گے کہ وہ بنانے اور بتانے کا فرق نہ جانتے ہوں لہذا انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سمجھ سوچ کر لکھا ہوگا۔ موصوف کی تینوں عبارتوں کا حاصل یہی تو ہوا کہ بہار کا کافر تو ضرور ہو گئے تھے لیکن انہیں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بہار لکھا تھا اور وہ انہیں کفر ماننے پر تھے ہوئے تھے۔

گھڑوی صاحب! آپ عبارت اکابر کے مصنف کو حقیقت نفس الامری سے مطلع دیں کہ ان پانچوں حضرات کو امام احمد رضا خاں بریلوی یا اہل حق کے کسی بھی عالم نے کفر نہیں بنایا کیونکہ وہ جملہ حضرات تو کافروں کو مسلمان بنانے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ ہاں ان پانچوں حضرات کو کافر بنایا تو انگریزوں کے وظیفوں نذرانوں اور رقم ترے، خود ان حضرات کی حرص و ہوس اور پٹ پرستی نے نیز خوف خدا اور خطرہ روز جزا سے عاری ہونے نے جس کے باعث ان پانچوں حضرات نے مقدس شجر اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگا کر اپنی ایمان جیسی متاع عزیز کو اپنے ہاتھوں ضائع کر دیا تھا۔ امام احمد رضا خاں بریلوی اور اہل حق کے ہر صاحب نظر نے تو زیادہ خیر خواہی مسلمانوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ ان پانچوں میں سے کسی کے پیچھے لگ کر اُسے اپنا رہنما اور پیشوا بنا کر تم بھی اپنی عاقبت برباد نہ کر لینا اپنے ایمان کی دولت سے محروم نہ ہو جاؤ۔

خدا ان حضرات کے پیرو مرشد، حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی سمجھا کچھ لکھا تھا۔ انہوں نے رفع نزع کی خاطر ایسا عقیدہ و عمل لکھوا کر فیصلہ مفت مسئلہ کے نام سے بی بی ترانہ پر مندرج کیا۔ جیسے نحمدہ ۱۹۱۰ء میں کہ بعد فقیدت و احترام اور پوری نیاز مندی سے مذکورہ نزع کرنے کا جو فیصلہ صادر ہوا تھا، کیا قبیلہ حاجی صاحب کا مشن بھی کافر بنانا تھا نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح سارے ملک کے علمائے کرام سراپا احتجاج تھے کیونکہ ان کے پروردگار کی تقدیس اور حبیب کردگار احمد مختار علیہ السلام کی عظمت پر چند مولوی کہلانے والے

ناپاک حملے کر کے ان کے قلب و جگر کو چھلنی کر رہے تھے، ان کی ایمانی غیرت کو لاکار سہے تھے۔ جملہ اہل علم حضرات نے سمجھایا بجھایا لیکن چند لوگوں نے پیٹ پرستی کے باعث کسی کی نہ سنی۔ برٹش گورنمنٹ کی پراسرار حمایت کے باعث سارے ملک کے احتجاج کو ٹھکراتے رہے اور یوں ملت اسلامیہ کو اپنی دین زدگی کے باعث تڑپاتے رہے اور جاتے وقت اسلامیان ہند پر چند جدید فرقوں کا بوجھ لاد گئے۔

معانی مانگتے۔ عبارات اکابر کے مصنف نے عبارت حفظ الایمان کی مختلف انداز

میں صفائی بیان کرتے ہوئے بھول بھلیاں کی سیر کے خوب مزے لوٹے ہیں۔ علمائے اہلسنت کو دل کھول کر بے نقط سنائی ہیں اور اپنی چلتی خوب سینہ زوری اور دھینگا مٹشتی کا مظاہر کیا ہے۔ علائکہ مصروف سے تھانوی صاحب کا کفر بال برابر بھی ہٹایا نہیں جا سکا لیکن کس مزے سے یہ جرنیل اور مضحکہ خیز حکم صادر فرما رہے ہیں :-

خال صاحب کا پہلے تو یہ فریضہ تھا کہ تکفیر جیسے سنگین قدم کے اٹھانے سے پہلے حضرت تھانوی صاحب سے ان کی مراد دریافت کر لیتے۔ اگر ان کی مراد سے توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نکلتا تو بلاشبہ ان کی تکفیر کرتے بلکہ یوں کہتے کہ تھانوی ڈبل کافر ہے اور دوسرے درجے پر ان کا یہ فریضہ تھا کہ جب حضرت تھانوی نے اپنی مراد بیان کر دی اور اس پہلو اور اس مطلب و مراد کو کفر کہا جس کو لیکر خال صاحب ان کی بلا وجہ تکفیر کر رہے ہیں تو خال صاحب کے لیے مناسب تھا کہ وہ اپنے اس ظالمانہ فتویٰ سے رجوع کرتے اور اخبارات و اشتہارات میں اُسے شائع کرتے کہ میں نے تھانوی صاحب کی عبارت سے جو مراد سمجھی ہے تھانوی صاحب خود بھی اُسے کفر کہہ رہے ہیں اس لیے میں اپنے اس فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں اور تھانوی صاحب اور ان کے معتقدین سے معافی کا خواستگار ہوں۔

لکھنؤوی صاحب! آپ بغیر کسی جھجک کے عباراتِ اکابر کے مصنف سے یہ فرمادیں کہ
تھانوی صاحب نے جو اپنی مراد ظاہر کی اگر ان کا کوئی معتقد اُسے اسلامی ثابت کر سکے یا
اس کفریہ عبارت کے اندر اس کے علاوہ ایک بھی اسلامی پہلو ثابت کرے تو آخر شاہجہان پور کا
وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و اشتہارات کے ذریعے یہ اعلان کر دے گا کہ تھانوی صاحب کی تکفیر
میں غلطی ہو گئی تھی اور تھانوی صاحب کے معتقدین سے معافی بھی مانگ لے گا۔ اس کے بالقابل
اگر وہ تھانوی صاحب کی عبارت میں کوئی اسلامی پہلو ثابت نہ کر سکیں تو اپنے چاروں ارباباً
یعنی دُؤن اللہ کو کافر و مرتد مان کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔
اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریری وعدہ کر کے افہام و تفہیم کی غرض سے سلامت روی کے ساتھ
تحریری گفتگو شروع کر دی جائے۔ تحریروں کی روشنی میں حقیقت چھن کر خود ہی سامنے آجائے
گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ افہام و تفہیم کے ذریعے اس المناک اختلاف کے گتے کو کنوئیں سے نکال
کر باہر پھینک دیا جائے۔ ہم عباراتِ اکابر کے مصنف کے تحریری وعدے کا آج سے ہی انتظار
شروع کر دیتے ہیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لکھنؤوی صاحب! عباراتِ اکابر کے مصنف کی ساری لن ترانیوں کا انتہائی معقول
جواب ہو گیا یا نہیں؟ اب آپ اُنھیں یہ بھی بتادیں کہ حضور دالا! آپ تجاہلِ عام فائدے
کام لے رہے ہیں کیونکہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں المعتمد المسند
کے اندر جب پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا تو اس وقت حفظ الایمان کی عبارت
کو منظر عام پر آئے ایک سال، لکن وہی صاحب کے فتوے کذب و قومی کو بارہ سال، براہین قاطعہ
کو سولہ سال اور تحذیر الناس کو پوسے تیس سال ہو چکے تھے۔ اس عرصے میں رد و تردید کا بازار خوب
گرم رہا اور فریقین کی جانب سے سینکڑوں کتب و رسائل اور اشتہارات منظر عام پر آئے۔ یہاں
نک کہ بریلی شریف سے ساری کفریہ عبارتوں کا مجموعی رد شائع ہوا اور اس میں سے بیس سوال

منتخب کر کے ایک وفد کے ذریعے تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے کہ ان کا اپنے قلم سے جواب دیجئے۔ اس پر دیوبندی حضرات کے مجددین و ملت نے مجددانہ شان دکھانے ہوئے الیکٹرون

دفتر سے فرمایا:

ایک نہ ہزار نہ، معاف کیجئے میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں۔ جو شخص تم سے دریافت کرے اُسے ہدایت کر دو، طبیب کا کام نسخہ لکھ دینا ہے، یہ نہیں کہ مریض کی گردن پر چھری رکھ دے کہ تو پی لے۔ تم اپنی اُمت میں سب کو داخل کر لو۔ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں کہوں گا۔ مجھے معقول بھی کر دیجئے تو وہی کہے جاؤں گا۔ مجھے معاف کیجئے، آپ جیتے، میں ہار گیا۔

جب تھانوی صاحب نے یوں جان چھڑائی اور نخر بری جواب مطلقاً نہ دیا تو آستانہ عالیہ بریلی شریف کی جانب سے وہی سوالات ان کے پاس بذریعہ جسٹری بھیجے گئے۔ موصوف نے جسٹری واپس کر دی۔ تیسری مرتبہ تھانوی صاحب نے رسالہ ظفر الدین الجتیدی کی صورت میں ان کے سامنے پیش کئے لیکن دیوبندیوں کے حکیم الامت اور مجددین و ملت کا منہ ذرا نہ کھلا اور قلم حرکت میں آیا۔ چوتھی مرتبہ رسالہ بطش غیب کی صورت میں تھانوی صاحب کو جواب دینے کی جانب منسوب کیا اور دیگر تمام نلامے دیوبند کو دعوت دی کہ اپنے ان کفریات کے بارے میں بولیں۔ اگر آپ کے پاس ان خرافات کی ادلیس ہیں تو ان ادیلات کے چہرے کھولیں۔ ان غلبی و ایمانی مضامین کا جواب سرکار کے پالتو پھوروں نے گالیوں اور مغالطوں سے دیا جبکہ حکیم الامت سے شیخ الہند تک کہلانے والوں پر خاموشی اور خود سراموشی کا عالم طاری رہا یعنی وہی یہ ظہر العجا کہ جواب مع مجیب غائب۔

لکھنوی صاحب؟ غور تو فرمائیے کہ ان حالات میں جواب کس کے گھر سے یا کون سے بازار سے منگوا یا جاتا ہے اب ذرا مصنف صاحب سے پوچھیے تو سہی کہ امام احمد رضا خان

برمیوں نے کیا تھا تو ہی صاحب سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا ہ بند خدا! ایک مولوی کہلاتے ہوئے کیا مصنف صاحب کو عالم آشکار میں ایسا سفید جھوٹ زیب دیتا ہے ہ جواب نہ دیں تعالوں صاحب، خاموش رہنے کی قسم کھائیں دیو بندویوں کے حکیم الاست صاحب، اپنے اوپر سے کفر کا الزام بٹانے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھائیں مصنف کے مجدد دین دلت صاحب اور مورد الزام قرار پائیں ان کے نزدیک امام احمد رضا خاں برمیوں کیا سر بازار انصاف کا لہوں خون کر کے اور حقائق کا منہ چڑا کر دیانت و صداقت کے تقاضے پورے کئے جائے ہیں ہ

لکھڑی صاحب! جب جواب مانجنے پر تھا تو ہی صاحب نے ارمان دفعہ سے بر ملا کہہ دیا کہ جواب لینے سے میرا ایک دفعہ نہیں ہزار بار انکار ہے۔ میں ہرگز جواب نہیں دوں گا۔ مجھ پر ثابت بھی ہو جائے کہ میں غلطی پر ہوں تب بھی جواب نہیں دوں گا۔ میں روحانی مریض سہی لیکن ایمانی دوائی پینے سے میرا صاف انکار ہے کیونکہ جس کبل کو پکڑ بیٹھا ہوں اُسے چھوڑنے کی اب لاکھ کوشش بھی کر دوں تب بھی وہ کبل مجھے نہیں چھوٹے گا اب میری مرضی کا دخل ختم ہو چکا ہے کیونکہ میں کسی کے ہاتھوں میں اب چوں قلم در دست کا تب ہو کر رہ گیا ہوں۔ چونکہ میں تخریب دین و افتراق بن المسلمین پر مامور ہوں لہذا جتنے جی باطل پر قائم رہوں گا اور اسی کو حق و صداقت بتانا رہوں گا اور بس۔

لکھڑی صاحب! ملاحظہ فرمایا آپ نے مصنف صاحب کا آنکھیں بند کرنا کہ تھا تو ہی صاحب سے تو کچھ کہا ہی نہیں گیا تھا۔ ان سے تو پوچھا ہی کچھ نہ تھا۔ سینکڑوں واقعات اور رساں و اشتہارات کے مضمون چھوڑتے ہوئے ذرا انھیں مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں رضوی حتمہ اللہ علیہ کا ذمہ مکتوب راہی تو سنا دیجئے جو انہوں نے اسی نزع کو رفع کرنے کی خاطر لکھا۔ میں تھا تو ہی صاحب کے لیے بھیجا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سُرِّوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اَلَسَلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْہُدٰی۔ فقیر بارگاہ عزیز قدیر عز جلالہ

و مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ و قرار داد مراد آباد

پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات و مواضاتِ حسام الحرمین کی جوابدہی کو آمادہ ہوں۔ میں اور آپ جو کچھ کہیں، لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور دستخطی پر چہ اسی وقت فریقِ مقابل کو دیتے بائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کر برکنے کی گنجائش ہے۔

معاہدے میں ۲۴ صفر مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ آج ۱۵ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی بہت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے؟ اسی قدر کہ یہ کلمات شانِ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ نغان ڈومنت میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ لہذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۴ صفر روز جان افزو دو شنبہ اس کے لیے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۴ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں..... اور آپ بالذات اس امرِ عظیم کو طے کر لیں۔

اپنے دل کی جیسی آپ بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا؟ عاقل، بائع، مستطیع، غیر محذره کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہذا یہ معاملہ کفر و اسلام کا ہے، کفر و اسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے تو وکیل ہی کا سہارا ڈھونڈیے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے۔ اس کا تمام ساختہ و پرداختہ قبل سکوت، بحول، عدول سب آپ کا ہے اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عز جلالہ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساکت یا نافر ہوا تو کفر سے تو بہ علی الاطلاق آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ تو بہ میں وکالت ناممکن ہے اور علانیہ کی تو بہ علانیہ لازم۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی سر رہتا ہے کہ تو بہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پرچھے بائیں گے۔ پھر آپ خود ہی اس دفع اختلاف کی بہت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے و دسرانے؟ کاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفعِ خجالت کی سعی سے حاصل کرتے ہیں..... آخر تاکے؟ یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرضِ ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے خوف پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا سیراکام نہیں لہر

عز وجل کی قدرت میں ہے واللہ یددی من یشاء الی صراط مستقیم وصلى الله تعالى
على سيدنا ومولانا محمد وعلى اله وصحبه اجمعين والحمد لله رب العلمين -

۱۵ صفر المظفر ۱۳۲۹ھ
فقرا احمد رضا قادری عفی عنہ

چهار شنبہ

لکھنؤی صاحب! ذرا عبارات اکابر کے مصنف سے کہیے کہ وہ مذکورہ بالا خط کے
بر فقرے میں اصلی وجعلی مجدد کا فرق دیکھ لیں۔ نیز لپچھیے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے
تھانوی صاحب سے پوچھنے میں کونسی کسر اٹھا رکھی تھی؟ لیکن تھانوی صاحب کو مرتے دم
تک لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ دعوت کے جواب میں قرار داد مراد آباد کی دوسے جہاں
مراد آباد جانے اور مجدد برحق کے سامنے پہنچنے کی جرأت نہ ہوئی وہاں گھر کے اندر بیٹھ کر
بھی کوئی مقول اور اسلامی توجیہ تازلیت بیان نہ کر سکے۔

جب تھانوی صاحب نے اپنی صفائی میں چو درتی بسط البنان لکھی تو سب کو معلوم
ہو گیا کہ ان کے پلے حفظ الایمان کی صفائی میں کچھ بھی نہیں ہے ورنہ ان دور از کار اور نامقول
ادبیت کا سہارا کیوں لیا جاتا ہے۔ تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کی صفائی میں جو کچھ بسط البنان
کے اندر لکھا اس کے پرچھے شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
تعالیٰ علیہ نے دفعات السنان لکھ کر اڑائے اور مسئلہ علم غیب پر جتنا منہ کھولا تھا اسے ادخال
السنان لکھ کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ دفعات السنان کے اندر تھانوی صاحب سے ایک
سو تیس سوال کیے تھے کہ ان کا نمبر وار جواب دیجئے۔ ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک تیس سالوں
میں تھانوی صاحب سے ایک سوال کا جواب بھی نہ ہو سکا اور نہ تھانوی صاحب کا کوئی بڑے سے
بڑا حاشیاتی ان کا جواب دے کر اپنے مجدد دین و ملت کی بگڑی بنا سکا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے
تھانوی صاحب پر اتمام حجت کرتے ہوئے یہ اعلان بھی فرمایا تھا۔

اس ایمانی معاہدہ کی طرف آپ کو دعوت ہے، جس کی ابتداء ہم خود کریں۔

ہم بچے دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اگر آپ نے ان سب سوالات کا جواب

۱۵ مجدد اسلام، مطبوعہ انڈیا، ص ۱۸۲ تا ۱۸۶

جدا معقول جواب لکھو دیا، جس میں نہ اڑان گھائی ہو، نہ نمبر کترانا، نہ نکابہرہ
 ڈھٹائی ہو، نہ دھوکے دے کر عوام کو چند روز تو ہم صاف اعلان کر دیں گے
 کہ خفص الامیان پر تکفیر غلط تھی اور اگر آپ ایماناً سمجھ لیں کہ الزام لا جواب ہے
 تو خدا کو مان کر انصافاً قبول دیں کہ واقعی حفظ الامیان میں آپ نے کسر لکھا ہے،
 اب مسلمان ہوتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں آپ کی کچھ بھد نہ ہوگی
 بلکہ ہر غافل کے نزدیک وقعت بڑھ جائے گی: (وقعات السنان ص ۱۷۱)

گلکھڑوی صاحب امبارت اکابر کے مصنف سے پوچھنے چلیے کہ تھانوی صاحب
 سے کچھ پوچھا گیا تھا! نہیں ہے مصنف صاحب بھی دقیقت مجبور ہیں کہ اُشْرُ بُرَانِی قُلُوبِهِمُ الْعَجَل
 کی طرح وہ اپنے تھانوی صاحب کی محبت و عقیدت سے سرشار ہیں۔ ان کے دماغ میں صرف ایک
 ہی دھن سمائی ہے کہ تھانوی صاحب نے خوراک کچھ بھی کیا لیکن امام احمد رضا خاں بریلوی کو ان سے
 سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی۔ وہ اپنے اَسْرَابًا بَاتِنًا دُونَ اللّٰهِ پر تنقید کرنے کا کسی کو
 بھی حق لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

چلیے یہ بات ۱۲۳۰ھ کی تھی۔ ۱۲۴۵ھ میں ایک صاحبِ دل اور بااثر مسلمان جمال
بھائی قاسم بھائی نے کوشش کی کہ اختلاف کا یہ کٹا کنوٹیں سے نکالنا بہت ضروری ہے اور
مولوی خلیل احمد صاحب امٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی زندگی میں اس تصفیے کی
 امید ہو سکتی ہے کیونکہ چاروں اکابر دیوبند سے یہ دونوں حضرات ابھی بقید حیات ہیں۔ اپنی
 عبارتوں کی جو توجیہ یہ بتا سکتے ہیں وہ دوسرے سے مقصود نہیں اور نہ اس پر اس درجہ
 اعتماد کہ شاید قائل کی یہ مراد نہ ہو۔ مولوی خلیل احمد صاحب ان دنوں عرب میں تھے۔ وہیں ان
 کے پاس دعوتِ مناظرہ بھیجی گئی اور ہندوستان آنے کے مصارف کو ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا
 لیکن موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھانوی صاحب سے کہا گیا کہ اپنی زندگی میں سامنے آکر
 آپ ہی یہ اختلاف مٹانے کی جانب کوئی قدم بڑھا دیں۔ اس پر موصوف تو خاموش ہے اور ان کے
 حواریوں نے علمائے اہل سنت پر ملک کے گوشے گوشے سے کالیوں کی بارش برسائی شروع کر
 دی۔ آخر شہزادہ اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۲ھ)

۱۹۴۲ء) نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس یہ گرامی نامہ بھیجا۔

بخدمت وسیع المناقب جناب مولوی اشرف علی صاحبہ اللہ تعالیٰ
السلام علی من اتبع الهدی۔ فقیر ایک فیصلہ کن مناظرہ کے لیے آپ سے
ہر طرح تیار ہے۔ مسلمانانِ پادریہ کی آواز پر فوراً فوراً پادریہ چلیے اور تاریخِ وقتِ روانگی
سے سیٹھ صاحب اور فقیر کو مطلع کیجئے۔ میں با برکاب منتظر جواب ہوں۔ جھوٹے
تیلے ہانے نہ بنائے، فوراً اپنی مہری و دستخطی تحریر بذریعہ رجسٹری بھیجیے اور
پادریہ نہ جانا ہوا وہاں کچھ زیادہ مصیبت کا سامنا ہو تو جہاں آپ کو زیادہ
آسانی ہو وہاں انتظام کرائیے۔ ایک ہفتہ کی مہلت ہے۔ مناظرہ سے انکار
عجز، اقرار اور سکوت قرار پر قرار ہوگا خبر شرط است۔

گدائے سجادہ رضویہ، فقیر محمد حامد رضا قادری بریلوی غفرلہ

اس دعوتِ مناظرہ کا شکر بھی وہی ہوا جو تھانوی صاحب شروع سے کرنے آرہے
تھے کہ مکمل خاموشی کی ٹھان لی گویا ہاں اور نہ دونوں کو جواب۔ نہ مرد میدان اور خیر خواہ اسلام و
مسلمین بن کر مناظرہ کرنے گئے اور نہ انکار کیا۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دہلوی کئی روز پہلے
سے اچھلنے پھرتے تھے کہ میں تھانوی صاحب کا وکیل ہوں جب تھانوی صاحب سے اس توکیل
کی تصدیق چاہی تو وہ مہربان ہو گئے۔ دہلوی صاحب سے وکالت نامہ دکھانے کا مطالبہ ہوا
تو ان کے پاس وکیل مطلق بنانے کی مطلقاً کوئی تحریر تھانوی صاحب کی مہری دستخطی سرے سے تھی
ہی نہیں۔ یہ تھانوی صاحب اور ان کے چیلے چانٹوں کی اسلام دوستی اور حق و صداقت سے
لگاؤ جس کے باعث امام احمد رضا خاں بریلوی ہی نہیں بلکہ اس دور کے ہر صاحبِ ایمان کو مصنف
صاحب کے نزدیک ان کے تھانوی صاحب سے معافی مانگ لینا چاہیے تھی۔ کیونکہ دنیا میں ایسی
پراسرار ہستیاں کہیں صدیوں بعد جا کر پیدا ہوتی ہیں جن کا وجود مرنے کے بعد بھی ملتِ اسلامیہ کے
لیے مقلد دروس ہو کر رہ جاتا ہے۔

خیر جانے دیجئے مصنف صاحب تو یہی فرمائیں گے کہ تھانوی صاحب سے ان کی مراد

پوچھی ہی کب گئی تھی۔ اس کے سات سال بعد ۱۳۵۲ھ میں انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے ہو رہے تھے۔ ضروری سمجھا گیا کہ چاروں اکابر دیوبند سے تھانوی صاحب ابھی بقیہ حیات میں۔ اگر وہ بنفس نفیس تشریف لاکر اس امر کا عملی تصفیہ کر لیں تو اسلامیان ہند کی بہت بڑی پریشانی دور ہو جائے۔ تھانوی صاحب کے لاہوری معتقدین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور فرار یہ پایا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی کے خلیفہ اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور تھانوی صاحب کے درمیان مناظرہ ہو۔ اگر ذیقین میں سے کسی کو اشد مجبوری و معذوری کا سامنا ہو جائے تو وہ کسی کو اپنا وکیل مطلق مقرر کر دے کہ جس کی فتح و شکست ٹوکل کی شمار ہوگی۔ چنانچہ حزب الاحناف لاہور کی جانب سے تھانوی صاحب کو ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو دن کے دس بجے یہ جوابی تار مال کیا گیا۔

جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی بھون ضلع مظفر نگر

حزب الاحناف کے جلسے ہو رہے ہیں۔ علمائے اہلسنت کے تمام اکابر کا اجتماع ہے۔ اس بہتر موقع پر آپ تشریف لاکر حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی عبارات کے متعلق تصفیہ کر لیں تاکہ تمام ہندوستان کی پریشان کن جنگ کا خاتمہ ہو جائے اس موقع پر تکلیف سفر گوارا کرنا آپ پر لازم ہے۔ تار کے ذریعے سے تشریف آوری کے وقت سے اطلاع دیکھنے آپ کا سیکنڈ کلاس کارا یہ تشریف لانے پر پیش کیا جائے گا اور ہر ممکن آسائش پہنچائی جائیگی۔ تھانوی صاحب جب اس تار کا جواب بھی حسب عادت ہضم فرما گئے تو ان کے لاہوری معتقدین کو بھی بڑا صدمہ پہنچا کہ ہمارے مجدد دین و ملت صاحب کو یہ ہو گیا کیا ہے تھانوی صاحب کو اپنی اور اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں میں اسلامی پہلو کی کوئی رمتی بھی نظر نہ آتی تو ضرور اہل حق کے سامنے آتے۔ سامنے آنے میں انھیں رسوائی کے ہوا اور کچھ نظر آتا ہے تو اس لیے نہ انہوں نے کبھی روبرو ہونا تھا اور نہ ہونے، ہاں اپنے چند چیلے چانٹے اور سرکاری خرچ پر پالے ہوئے ٹھوسے بھیج دیئے تھے۔ جن کی موجودگی میں فریقین نے مناظرہ کے لیے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا روز مقرر کیا اور ابوالبرکات سیّد احمد ناظم انجمن حزب الاحناف لاہور نے تھانوی صاحب کے نام اطلاع کا خط بھیجا جس کے آخری چند جملے یہ ہیں:

۱۔ آخری قطعی فیصلہ کن لاہور کا مناظرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۶۰۵

کا شکر! ہماری نلصانہ معروض قبول فرما کر آپ لاہور تشریف لے آتے اور عبارتاً
 حفظ الایمان برابین قاطعہ، شکر پر اناس کے متعلق اکابر السنّت سے (جو جلسہ میں رونن افزوز
 تھے) فیصلہ کن مناظرہ ہو کر تصفیہ ہو جاتا اور فریقین سے حقارت و منافرت کا سلسلہ
 منقطع ہو کر اس غالبگیر مذہبی جنگ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا۔ ہمیں آپ کے اس
 موقع پر سکوت و بے اعتنائی اختیار کرنے کا نہ صرف افسوس بلکہ بے حد رنج ہے۔
 خیر اب چونکہ آپ کے معتقدین و عمائدین شہر لاہور..... نیز جناب محترم سردار محمد خان صاحب
 ناظم جمعیت الاحناف نے مولوی محمد منظور صاحب سنبھلی اور مولوی ابوالقاسم صاحب اور مولوی
 محمد اسمعیل صاحب اور مولوی عبدالرحمن صاحب لاہوری کے سامنے ان کے مشورہ سے
 فیصلہ کن مناظرہ کے لیے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا دن مقرر فرما کر فریقین کے اتفاق سے اپنے
 دستخطوں سے ہمیں تحریر عطا فرمادی ہے، جو عنقریب شائع کر دی جائے گی۔ ہم اُمید کرتے
 ہیں کہ اس تاریخ پر آپ بنفس نفیس لاہور قدم رنجہ فرما کر فیصلہ کن مناظرہ کر کے ہمیشہ کے لیے
 فریقین میں صلح و آشتی اور محبت و اتحاد کی بنیاد قائم کر دیں گے۔ فقط

جواب کا منتظر: فقیر قادری ابوالبرکات سید احمد.....

گنگھڑوی صاحب! مولانا حامد رضا خاں بریلوی کئی روز پہلے ہی لاہور تشریف لے
 آئے تھے اور اہلسنت کے اکثر علمائے کرام بھی تشریف فرما ہوئے لیکن عبارت اکابر کے
 مصنف سے پوچھیے کہ تھانوی صاحب اپنے تھانہ بھون کی زمین سے کیوں چپٹ گئے تھے؟
 کیوں لاہور آئے اور تصفیہ کر لینے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی؟ ساتھ ہی یہ بھی دریافت
 کر لیجئے کہ تشریف نہ لانے کی صورت میں کسی کو اپنا وکیل مطلق بنا کر کیوں نہ بھیجا ہے رفع اختلاف
 و دفع نزاع کی خاطر نہ خود تشریف لانا اور نہ کسی کو وکیل مطلق بنانا، آخر اس ستم ظریفی کا جتنے جی
 سلسلہ جاری رکھنا کس وجہ سے تھا صورت حال واضح ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی اور
 ان کے خلفاء تھانوی صاحب کو آخری دم تک لب کشائی کی دعوت دیتے رہے، اُردو برد ہو کر
 کہنے اور سننے کے لیے بلاتے رہے لیکن تھانوی صاحب اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے لیکن کبھی

۱۵ آئینی قطعی فیصلہ کن لاہور کا مناظرہ ۲۰ طوبہ لاہور ص ۶

علمائے اہلسنت کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی۔

گگھر ڈی صاحب! عبارات اکابر کے مصنف سے پھر لو چھپے کہ حضور والا! امام احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے خلفاء نے تقاضا تو یہ صاحب سے عبارت حفظ الایمان کے سلسلے میں کبھی کچھ پوچھا تھا یا نہیں؟ خیر ذوالکار کریں یا اقرار لیکن اس کتاب کو پڑھنے والے قارئین کو ضرور یہ شعر یاد آ گیا ہوگا۔

کل تک حجام سب کا مونڈتا پھرتا تھا سر

آج اس کوچے میں اس کی بھی حجامت ہو گئی

تکفیر بند کرو۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے عقیدہ خاتمیت میں نانوتوی صاحب

کی طرح ترمیم کی، اسیاٹے کرام کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھیں اور سب پر طرہ یہ کہ نبوت کا دعویٰ کر دیا جس کے باعث وہ کافر و مرتد ہو کر اسلام کے دائرے سے باہر نکل گئے۔ انھیں کافر سمجھنا ہر واقف مسلمان پر لازم ہے کیونکہ جو انھیں کافر نہ سمجھے یا کافر و دجال کہنے میں توقف کرے وہ خود بھی کافر ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر مسلمان کہلانے والے ہر فرقے کے علماء متفق ہیں کہ کافر کو کافر سمجھنا ضروری ہے اور جو اسے کافر نہ سمجھے یا کافر کہنے میں توقف کرے وہ خود کافر ہے۔ اسی طرح مسلمان کو مسلمان سمجھنا بھی ضروری ہے اور جو اسے کافر سمجھے یا کافر کہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایسی بات ہے جس پر تقریباً تمام علماء متفق ہیں۔ تکفیر بند کرو یا کسی کو کافر نہ کہو کے نعرے لگانا سیاسی چال ہے جس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ اسلام کے دائرے میں آنے اور اس سے نکلنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح کوئی یہودی، عیسائی، ہندو یا سکھ آج مسلمان ہو جائے تو اسے ضرور مسلمان کہا جائے گا اور اس کی پچھلی غیر اسلامی زندگی کو اب نہیں دیکھا جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان کہلاتے ہوئے کوئی کفر پر عقیدہ مرزا نے قادیان کی طرح اختیار کر لے تو اسے ضرور کافر سمجھا اور کہا جائے گا اب اس کی پہلی زندگی، اس کے باقی عقائد و نظریات اور اسلام کے مطابق اس کے دیگر اقوال و افعال کو نہیں دیکھا جائے گا۔ جب تک وہ اپنی کفر پر بات سے تو نہ کرے اسے ضرور کافر سمجھنا چاہیے اور جب تک کسی سے کوئی کفر پر بات واقع نہ ہو اس وقت تک

اُسے مسلمان سمجھنا چاہیے۔

کسی کو کافر نہ کہو کافر لگانے والے درحقیقت اسلام اور کفر کا امتیاز اٹھانا اور ایمان کی خصوصیت کو مٹانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہزاروں افراد کو کافر کہتے ہیں۔ خود دلیوبندی حضرات ہی کو لیجئے کہ ان کے نزدیک جو باتیں کفر ہیں اور جن کاموں کے کرنے والوں کو وہ کافر دستِ کفر شمار کرتے ہیں اگر اس فہرست کو سامنے رکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ اترنے افریش سے آج تک اس دنیا میں کوئی مسلمان پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ایسا پیدا ہو سکتا ہے جس کو دلیوبندی معیار کے مطابق مسلمان کہا جاسکے۔ دریں حالات یہ نعرہ بازی ایک سیاسی مغالطہ اور دھاندلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

کافر کو کافر کہنے سے بظاہر کسی مسلمان کو کچھ ملتا نہیں ہے لیکن اس کا کفر واضح ہو جانے پر اہل علم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا کفر ظاہر کریں اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائیں تاکہ بے خبری میں اس کے پیچھے لگ کر وہ اپنے ایمان کی دولت ضائع نہ کر بیٹھیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں راہ کفر اختیار کرنے والوں کو ظاہر کرنا اور مسلمانوں کو ان کے پیچھے لگنے سے روکنا صاحبان علم کے لیے ایسے مواقع پر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس مضرت کے لحاظ سے کافروں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :-

۱۔ پہلا طبقہ کھلے کافروں، غیر مسلموں کا ہے جو اپنے آپ کو یہودی، عیسائی، ہندو اور سکند وغیرہ کہتے ہیں۔ عام مسلمان بھی ان کے بہکانے سے اسلام کو نہیں چھوڑتے اور ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آتے اَلَا مَا شَاءَ اللّٰہ۔

۲۔ دوسرا طبقہ ان جاہل مسلمانوں کا ہے جن میں سے کوئی فرد اپنی جہالت کے باعث ایسا عقیدہ رکھے جس کے باعث وہ اسلام کے دائرے سے نکل گیا ہو۔ اس کی مضرت بھی اتنی زیادہ نہیں کیونکہ اُس کی جہالت کے باعث دوسرے مسلمان کب اس کے پیچھے لگنا پسند کریں گے؟

۳۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مسلمانوں میں صاحبان علم و عرفان کہلاتے اور کتنے ہی لوگ ان کی پیروی کرتے ہوں۔ اگر ایسے حضرات میں سے بدقسمتی سے کوئی مرزائے قادیان کی طرح

راہ کفر اختیار کر لے تو اہل علم پر عند اللہ فرض عائد ہوتا ہے کہ لپوری مستعدی سے اس کے کفریات کو واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے پیچھے لگنے سے بچائیں۔ اگر علماء اس کی بے راہ روی کو واضح نہیں کریں گے تو گمراہ ہونے والے مسلمانوں کا وبال ایسے علماء پر بھی پڑے گا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی نے المعتمد المستند کے اندر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں ایک ہی پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں علمائے حریم شریفین نے ان کے فتوے کی زبردست تصدیق کی اور تائید میں زور دار تقریظیں لکھیں۔ متحدہ ہندوستان کے ۲۹۸ علمائے کرام نے فاضل بریلوی کے مذکورہ فتوے سے اتفاق کیا۔ علمائے حریم کی تقریظوں کے مجموعے کا نام حسام المحرمین اور علمائے ہند کی تصدیقیوں کا مجموعہ الصوامع البندیہ کے نام سے موجود ہے۔ مذکورہ پانچ حضرات میں مرزاٹے قادیان کے سوا باقی چار حضرات دیوبندی اکابر ہیں، یعنی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔

علمائے دیوبند یہ کہتے ہیں کہ مولوی احمد رضا خاں نے ہمارے اکابر کی جن عبارتوں کے باعث ان کی تکفیر کی ہے وہ ہرگز کفریہ نہیں ہیں بلکہ انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنا کر تکفیر کی گئی ہے۔ اگر علمائے دیوبند کی یہ محض الزام تراشی اور اپنے اکابر کے کفریات پر پردہ ڈالنے کی سازش اور دھاندلی نہیں ہے تو ان عبارتوں کو آج بھی شریعت مطہرہ کی میزان پر تولاجا سکتا ہے۔ گزشتہ سطور میں ان کفریہ عبارتوں پر تحریری گفتگو کرنے کے متعلق ہم دو مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ یہ راستہ انتہائی معقول ہے اور فریقین کے دلائل کی روشنی میں حق و باطل کا جو فیصلہ ہو دونوں فریق پہلے اس کے پابند کر لیے جائیں۔

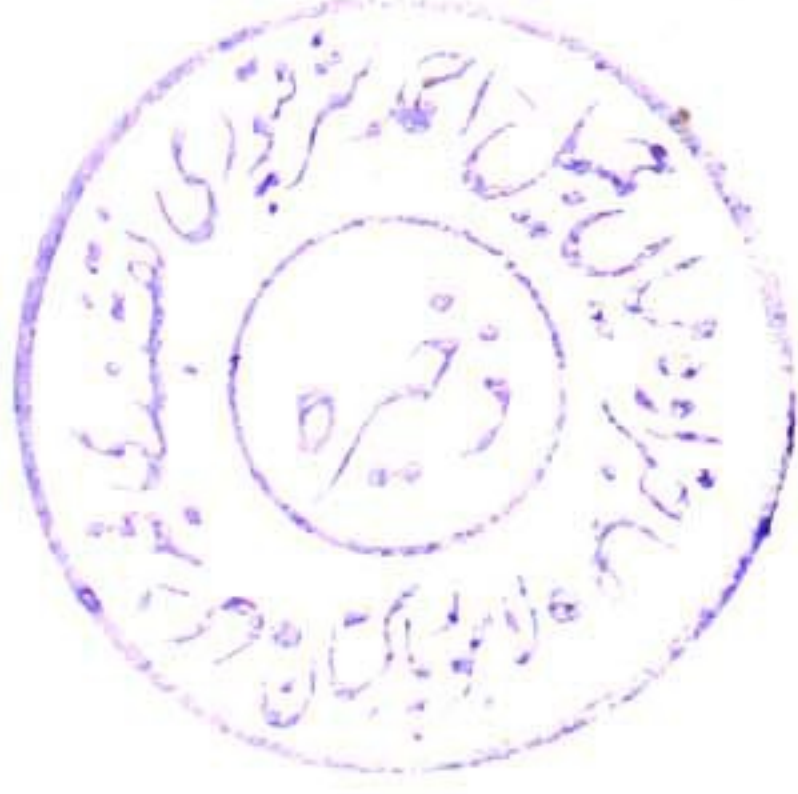
دوسرا راستہ یہ ہے کہ مجدد مائتہ حاضرہ قدس سرہ نے پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا۔ ان میں سے قادیانی و جال کے بارے میں حکومت پاکستان نے، ستمبر ۱۹۷۳ء کو امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے اسے متذکر اور وصال قرار دے دیا۔ عبارات اکابر کا مصنف اور اکابر دیوبند کے مقتدرین اگر زیادہ توجہ

فہمی میں مبتلا ہیں تو اپنے چاروں اکابر کا معاملہ وہ بھی حکومت کے سپرد کر دیں تاکہ قومی اسمبلی میں فریقین کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ ہو جائے۔ وہاں بھی مفسد صاحب کے سائے جو ہر کھل سکتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ سب بابر کا ورضا بھی احقاقِ حق و الباطل باطل کے لیے حاضر ہو جائے گا۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَسِّرُ اَيْسِبُ

سکتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَسِرْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَ الْبَاطِلَ بِالْبَاطِلِ وَ الْعِظْمٰنِي بِالصّٰلِحِيْنَ سَرَبْنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَ تَبَّ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَ صَلَّى اللهُ عَلٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِهِ وَ صَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ

گدائے در اولیاء: محمد عبدالحکیم خاں اختر

مجدوی منظری شاہ جہان پوری



هدیہ : ایصالِ ثواب

بمکتب

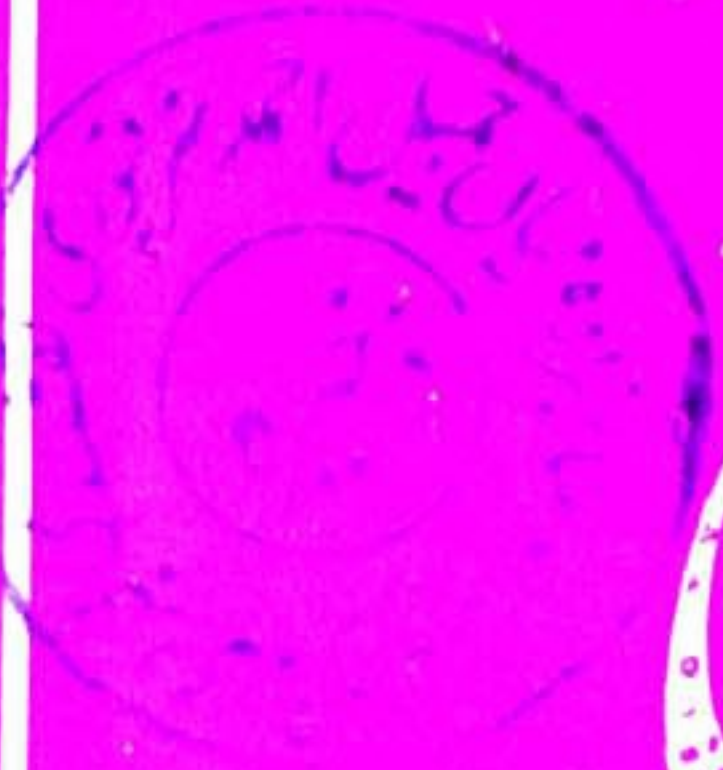
- ۱۔ مناظرِ عظیم حضرت مولانا محمد عمر صاحب اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- ۲۔ امام المناظرین حضرت مولانا صوفی محمد اللہ دتہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- ۳۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ

ع غیظ میں جل جائیں بے دنیوں کے دل
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت کیجئے
شکر ٹھہرے حسین تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجئے

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بَلِّغْهُمُ الْبَيِّنَاتِ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ
 فَسَلِّحْهُمْ بِمَا هُمْ بَارِعُونَ فِيهِ
 وَتَكْمِلُ الْوَلَدَ الْأَمْشَرَ
 بِمَنْ هُمْ فِيهِ مُتَّفِقُونَ

بلکہ ہم ہی کو باطل پر پھینک دیتے ہیں
 تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے تو بھی وہ مٹ کر رہ جاتا
 ہے اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔



کلہوڑ

مصنفہ

فاضل شہیر حضرتہ مولانا عبدالمجید خان آثر صاحب مجددی مظہری شاہجہاںپوری مدظلہ العالی

شائع کردہ

ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر ۲۲ بی

کرم پارک مصری شاہ لاہور ۳۹